گل نغم

گل نغمہ

گل نغمہ

(گیتان جلی)

رابندر ناتھ ٹیگور

عبد العزیز خالد

پہلی بار : مئی ۱۹۶۲

ناشر : مطبوعات مشرق ، ہرمزجی اسٹریٹ ، کراچی - ۱

طابع : ایسٹ پریس، کراچی

قیمت [illegible] روپے

گیتان جلی

جب رابندر ناتھ ٹیگور کی کتاب گیتان جلی (بہار نغمہ) شائع ہوئی ، میں انگلستان میں موجود تھا ۔ جس طرح شورش و انقلاب کے بعد سیاسیات کے عالم میں ہرشے زیر و زبر ہوجاتی ہے، ٹیگور کی آمد اور فتوحات نے قلمرو سخن کو درہم برہم کردیا تھا ۔ ڈبلیو ۔ بی ۔ ایٹس آئرلینڈ کے افسر الشعرا ، ارنسٹ رہیز ویلز کے ادیب محترم اور خود ملک الشعرائے انگلستان ان کو موجودہ زمانے کی شاعری کا تاج پیش کر رہے تھے ۔

جہاں میں اکثر کتابیں خریدا کرتا تھا ، داخل ہوا ۔ دکان دار نے اپنے خریداروں سے از راہ فخر کہا ''یہ ٹیگور کے ہم وطن ہیں'' ، ہر طرف سے مجھ پر یورش ہونے لگی اور ''آپ کو اور ہندوستان کو مبارک ہو'' ، کی صدائیں بلند ہونے لگیں ۔

ایک خاتون ۔ (گیتان جلی کتابوں میں سے اٹھا کر) ''یہ تراجم درست بھی ہیں یا نہیں؟ ''

ایک صاحب ۔ ''گیتان جلی کے لفظ کی ترکیب از روئے قواعد کیا ہے ؟ ''

ایک دوسری خاتون ۔ (گیتان جلی میں دکھلا کر) ''کیا حضرت مصنف کی صورت بالکل ایسی ہی ہے ؟ ماشاءاللہ ! کیا پاکیزہ ہندو المانی خدوخال ہیں ۔ ''

میں نے بمشکل تمام ٹیگور کے ان غائبانہ مداحوں سے رہائی پائی ۔

رڈیارڈ کپلنگ نے تاب نہ لا کر ان تمام ہنگاموں سے دور خاموشی میں پناہ لی تھی . ایک شب ایک بزم شعرا میں جانے کا اتفاق ہوا . وہاں ایک نوجوان شاعر نے جن کی ذات سے آئندہ انگریزوں کو بڑی امیدیں ہیں، کہا ''جس دن سے ٹیگور کا کلام شائع ہوا ہے میں نے قلم ہاتھ سے رکھ دیا ہے اور اس سوچ میں ہوں کہ آخر کیا کہوں،، . . . اس کے بعد جب میں انگلستان سے المانیہ واپس آیا، وہ عین وہ زمانہ تھا کہ نوبل انعام کو عطا ہوئے دس بارہ روز گذرے تھے. ٹیگور کا نام زبان زد تھا اور ہر کہ و مہ کے لب پر بھی یہی تذکرہ تھا . علمی اور شاعرانہ دنیا میں کیا چرچے تھے، ہفتہ بھر کے اندر گیتان جلی ترجمہ ہوکر شائع ہوگئی تھی اور مہینہ کے ختم تک 'باغبان' اور 'ہلال' کے تراجم کے طبع ہوجانے کا اشتہار تھا . ایک روز میں نے ایک دکان میں چار پانچ روز کے بعد سنا کہ شاہ سیکسنی کے حکم سے مجارستان (ہنگری) کی مشہور زمانہ مغنیہ نے گیتان جلی کے چیدہ مقامات حفظ کر شاہی سرود خانے میں سنا کر بے حساب داد حاصل کی .

ایک مہینہ کے اندر اندر علاوہ 'باغبان' اور 'ہلال' کے تراجم کے رابندر ناتھ ٹیگور کی سوانح عمری بھی شائع ہو گئی .

یہ دو ممالک کی چشم دید حالت ہے ، اور اقالیم میں بھی ایسی ہی قدر و منزلت ہوئی .

اہل فرانس کو نہایت وثوق سے یقین تھا کہ نوبل انعام اناطول فرانس کو ملے گا لیکن باوجود مایوس ہونے کے وہ قدردانی میں کسی سے کم نہیں رہے . یورپ کی کوئی زبان ہی شاید ایسی ہو جس میں ٹیگور کا مجموعۂ نظم ترجمہ نہ ہوگیا ہو. رومانی ، سربی ، مجاری (ہنگیرین) زبانوں تک میں ترجمہ کا مجھے ذاتی علم ہے .

جب میں ہندوستان واپس آیا تو میرا خیال تھا کہ یہاں کی علمی دنیا میں بھی یہی حالت ہوئی ہوگی اور ٹیگور کے اعجاز قلم نے سب کو حیرت میں ڈال دیا ہوگا. لیکن یہاں عام طور پر تعلیم یافتہ

جماعت کو ٹیگور کے نام تک سے نا آشنا ، اور خواص کو اس کی خوبیوں کا منکر پایا . یہاں کے علمی طبقوں میں یہ حالت دیکھی کہ سخن فہموں کو داد تک دینے میں اغماض تھا . خود بنگال میں صدائے مخالفت بلند پائی ع . چو کفراز کعبہ بر خیزد کجا ماند مسلمانی ہندوستان کی منطق یہ ہے کہ ٹیگور اور اقبال ہمارے ملک کے لحاظ سے بڑے شاعر ہیں مگر اکفاء یورپ کے شعرا سے مقابلہ کرنا اور ان کو مغنیان فرنگ کا ہم پایہ خیال کرنا، یا استغفراللہ ، ان سے ارفع اور اعلیٰ قرار دینا نہ صرف سوٴادب بلکہ گناہ ہے . کہاں ہندوستان کی تیرہ خاک ، کہاں یورپ کی خلد گاہ ، یہ خاک اور وہ عالم پاک ، یہاں کے ساکنوں کو وہاں کے مکینوں سے نسبت ہی کیا ہے .

اگر یورپ خود ٹیگور کی تعریف میں رطب اللسان ہے تو یہ کسر نفسی بھی کوئی مغربی ادا ہے اور اس میں بھی کوئی راز ہے ورنہ ہند کی خاک سے کوئی فرزانہ کب اٹھ سکتا ہے .

میں نے کہا کہ دعویٔ الفت مگر غلط
کہنے لگے کہ ''ہاں غلط اور سربسر غلط،،

ایک صاحب نے جو انگلستان کی ایک معروف کلیہ کے فرزند ہیں اور انگریزی زبان میں شاعری بھی کرتے ہیں، فرمایا ''ٹیگور کے خیالات عیسویت کے خیالات ہیں . جو اس نے برہمو سماج کے ذریعے سے ورثے میں پائے ہیں . اہل یورپ نے مصلحتاً رابندر ناتھ ٹیگور کو مشہور کر دیا ہے . ٹیگور کی شہرت سے در حقیقت تبلیغ دین مسیحی مقصود ہے .،،

اس اعتراض کا بہترین جواب گیتان جلی کے محض سرسری مطالعے سے کافی اور شافی مل سکتا ہے. جس بنگال کا ٹیگور فرزند ہے ''وہ بنگال ہے جو چے تنیا دیو اور چندرا سین کے مشہور ناموں سے منسوب ہے ،، جس شخص نے ٹیگور کے والد ماجد دوندرا ناتھ ٹیگور کی

سوانح عمری کا مطالعہ کیا ہے. وہ جانتا ہے کہ ٹیگور کا مذہب اپنشدوں کی لافانی تعلیم کے سوا کسی اور عقیدہ پر مبنی نہیں.

ایک اور نہایت ذی‌علم جوان نے جن کا مطالعہ نہایت ہی وسیع ہے اور جو اکثر مغربی اور مشرقی ادب سے واقف ہیں، فرمایا کہ ''میں ٹیگور میں کوئی نئی بات نہیں دیکھتا. یہ تمام خیالات قدیم ہندو اور جدید ہندی شاعری میں موجود ہیں.'' یہ اعتراض ایسا ہی ہے جس طرح کوئی شخص میر درد، خواجہ حافظ اور حکیم سنائی کے کلاموں میں اس وجہ سے کہ تینوں تصوف کے رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں، امتیاز نہ کر سکے. یہ بجا ہے کہ ٹیگور کی بہت سی تصنیفات کالیداس سے مشابہ ہیں. لیکن یہ محض اس وجہ سے ہے کہ دونوں خاص ہندی استعارات سے کام لیتے ہیں. یہ درست ہے کہ ٹیگور کے بہت سے خیالات کبیر سے ملتے ہیں، لیکن اس کا باعث صرف یہ ہے کہ دونوں کا کلام حمد و سپاس الٰہی میں ہے. انگلستان میں بھی چند اشخاص نے جن کی تعداد دو تین سے زیادہ نہیں، ٹیگور کے کمال کا انکار اسی پیرائے میں کیا ہے. ایک صاحب ٹیگور کو شیلے کا خوشہ چین بتلاتے ہیں. اور ایک فرانسس ٹامپ سن کا مقلد خیال کرتے ہیں.

میں نے خود ایک زمانہ ہوا گیتان جلی کا ترجمہ کرنے کا قصد کیا تھا. میرا ارادہ یہ تھا کہ ترجمہ نظم (غیر مقفیٰ) میں کروں تاکہ جہاں تک ہو سکے کلام کی خوبی قائم رہے. لیکن چوں کہ ٹیگور کے کلام کو ترجمہ میں ادا کرنے میں اس کی عظمت کے لحاظ سے ایسی ذمہ‌داری مجھ پر عائد ہوتی تھی جس کا میں متحمل نہ ہو سکا، یہ ارادہ پورا نہ ہوا. دس پندرہ مقامات ترجمہ کر کے رہ گیا. یہاں بطور نمونہ کے ایک مقام کا ترجمہ درج کرتا ہوں.

نوش عیش

موت جس دم دے گی دستک تیرے دروازے پر آ

کیا تواضع اپنے مہماں کی بجا لائے گا تو

مرحبا سلطان من حاضر ہے مینائے حیات
نوش عیش اور نیش غم دونوں کا یہ آمیزہ ہے
عمر کا میری ہے حاصل بس یہی لبریز جام
نوش جان حاضر جو ہے بہر کرم فرمائیے!

جہاں مجھے ملک کی ناقدردانی کا افسوس رہتا تھا وہیں اپنی بے کمالی کا رنج رہتا تھا. لیکن وہ بربط جس پر ٹیگور کے ترانۂ توحید کی شور انگیزی بلند ہو میری آغوش میں نہ سماتا تھا. میری ارضی طبیعت اس کی سماوی علوئیت کی تاب نہ لا سکی، لیکن الحمدللہ جس کام کو میں نہ کر سکا اس کو ایک جوہر قابل نے پورا کیا.

نسل شام کے اجداد نے عرب کے اس دشت ناپیدا کنار کی آغوش میں تربیت پائی تھی جو ایک شیشۂ ساعت کی طرح تھا اور جس میں وقت مدام ریگ امتنانی میں مشغول رہتا تھا. اس صحرائے سموم میں ویرانی کے سوا کوئی آباد نہ تھا. جب سموم رک جاتی تھی تو ہر جانب ایک پر رعب فضا پیما خاموشی مسلط ہو جاتی تھی. کسی درندے کی ہولناک چیخ تک سکوت کو نہ توڑتی تھی. یہاں قدرت محض آفتاب، مہتاب، ستاروں اور ریت کا مجموعہ تھی. سورج کی تاب و تابش میں بھی ایک جلوۂ قہر تھا. ریت کی طپش جان اور آرام کی دشمن تھی. چاند ستارے خوبصورت ضرور تھے مگر بے فائدہ اس لئے گو نسل شام نے کواکب پرستی کی بنیاد ڈالی تھی لیکن ان کے دل نے اپنے عقیدے پر خود گواہی نہ دی. حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو تقریر شمس و قمر کے طلوع و غروب اور ستاروں کو دیکھ کر کی وہ تمام نسل شام کی فریاد تھی جو دلوں سے زبان تک آگئی تھی گویا توحید یعنی یکتائی کا خیال قدرت نے ان کے دلوں میں خود ودیعت کر رکھا تھا. آفتاب کا ثانی کوئی نہ تھا، ماہتاب اپنی مثال نہ رکھتا تھا. ازل اور ابد کے تصورات بھی تمثیلاً دل میں موجود تھے. کہیں سے کہیں نکل جانے پر بھی مینائے لاجورد اور سراب دشت رفاقت نہ چھوڑتے

تھے، نہ صورت بدلتے تھے. اس لئے جب ان کو ایک ہستی سے آگاہ کیا گیا جو علائق دنیا اور قیود عالم سے آزاد ہے، سب سے بالا، موجودات سے ارفع، ازلی ابدی یکتا ہے اور جو مہر و ماہ، ریگ و دشت، عرش و فرش سے لا تعلق ہے. جس کا علم قیاس و گمان بلکہ وہم سے برتر ہے. تو انہوں نے بہ‌دل تسلیم کر لیا تو یہی مطلوب تھا جس کی ان کو تلاش تھی.

آریہ نسل کے اسلاف نے جو ایران اور وسط ایشیا سے ہندوستان آئے، ان عظیم‌الشان بیابانوں کو جن کو قدرت نے شیر و اژدر کی نشیمن گاہ بنایا تھا اپنی فرود گاہ مقرر کیا، دامن ہمالیہ اور بندرابن کے قدرتی سرسبز سائبان معبد اور مندر قرار دئے گئے. جدھر نظر اٹھتی تھی، آب رواں اور سبزہ‌زار پیش نگاہ تھا. پیکر مخصوص میں خدائی کارفرما نظر آتی تھی اور ہر میدان و جبل، دریا اور رودآب سے اناالحق کی صدا بلند ہوتی تھی، گوناگوں اثمار شیریں من و سلویٰ کا کام دیتے تھے. اور برفاب سے لبریز چشمے پیاس بجھاتے تھے، قدرت خود قاضی‌الحاجات تھی، طیور کی زمزمہ سنجی بزم سماع اور شاہدان گل کی حسن آرائی محفل وجد تھی، کثرت میں ذات باری پنہاں بلکہ آشکار نظر آتی تھی.

جب عربوں کا فارس پر اور مسلمانوں کا ہند پر تسلط ہوا تو ان دونوں کے مذہبی خیالات کا بھی ایک دوسرے پر تصرف ہوا. اس سے ایران میں تصوف نے فروغ پایا لیکن فطرتاً تصوف آریہ نسل کے عجمی مسلمانوں کی طبائع سے زیادہ رابط تھا. عربی‌الخیال مسلمانوں نے عموماً اپنی قدیم اسلامی روایات کو قائم رکھا. شاعری ایک وسیع حد تک مذہب کی تابع ہے، اس لئے ایک جانب تو صوفی شعرا، خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گل کوزہ، خود رند سبوکش کی تفسیر بیان کرنے لگے. دوسری جانب اسلامی شعرا ان الفاظ کا ورد کرتے رہے.

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم
در ہر چہ خواندہ ایم و شنیدیم و گفتہ ایم

اردو شاعری میں بھی ، جو فارسی کا تتبع ہے ، دوئی کی کیفیت موجود ہے. ایک فریق فارسی ' ہمہ اوست ، اور ایک عربی ' از ہمہ اوست ، کا قائل ہے. اس کے مقابل ہندو شاعری کی بنیاد ابتدا ہی سے وحدت الوجود پر مبنی ہے. ٹیگور کی شاعری ہندی شاعری ہے.

فیضی کا سر دیوان شعر ہے :—

یا ازلی الظہور یا ابدی الخفا
نورک فوق النظر حسنک فوق الثنا

خواجہ میر درد اپنا کلام یوں شروع کرتے ہیں :۔

مقدور ہمیں کب ترے وصفوں کی رقم کا
حقا کہ خداوند ہے تو لوح و قلم کا
جس مسند عزت پہ کہ تو جلوہ نما ہے
کیا تاب گزر ہووے تعقل کے قدم کا

لیکن ٹیگور فرماتے ہیں ''ایک جام سفال ہوں جس کو وہ رند حقیقی رنگا رنگ سے معمور کرتا ہے ، توڑ دیتا ہے، اور اعجاز کوزہ گری سے وجود میں لا کر الوان شراب سے لبریز کر دیتا ہے . نہ میرا کوتاہ پیمانہ بھرتا ہے نہ وہ میکش سیر ہوتا ہے، یہ ہماری ازلی اور ابدی لب نوشی ہے.

خوشی تیری اسی میں ہے بنا اک جام گل مجھ کو
بھرے ، خالی کرے ، ہر دم زلال زندگانی سے
مبارک ہاتھ لافانی ترے چھوتے ہیں دل میرا
خوشی سے ہوکے بے قابو میں کیا تقریر کرتا ہوں
کرم تیرا ہے بے پایاں سدا کوتاہ پیمانہ
بھرے خالی کرے ہر دم ہنوز اس میں ہے جا باقی!

یا کہتے ہیں ''دنیا اک صنم کدہ ہے ، میرا صورتگر خود میرا عاشق ہے ، اس کا ذی حیات مس میرے تمام اعضا پر محیط ہے،،

یا کہتے ہیں ''میں وہ منتظر عورت ہوں جو اپنے شیام سندر کے انتظار میں سونی سیج پر طوفانی راتوں میں اس کی آمد کی گھڑیاں گنتی رہتی ہوں. وہ کسی جنگل کے کنار بعید کی تاریکی کے پر پیچ عمق سے آنے والا ہے. آہ وہ بھی کیا ستم ظریف ہے، ہمیشہ اس وقت آتا ہے جب میں تھک کر سو جاتی ہوں، اور اپنے بربط کے نغموں سے میری نیند کو بھر دیتا ہے اور میں اس کے دیدار سے چونک جاتی ہوں جس کی سانس میری نیند کو چھو جاتی ہے.''

''جب صبح کو عورتوں کے ساتھ پانی بھرنے جاتی ہوں تو کنویں پر جہاں ساھلا اور نیم کے درخت ہیں وہ آتا ہے اور ھتھیلیاں جوڑ کر مجھ سے پانی مانگتا ہے، اس کی طلب میں کیا شیرینی ہے، یہ حلاوت عمر بھر میرے دل سے نہ جائے گی.''

''جب میں کاسۂ گدائی لے کر نکلتی ہوں تو وہ بادشاھوں کا بادشاہ بن کر زریں رتھ میں سوار ایک عجیب آن بان سے آ کر میرا راستہ روک لیتا ہے اور مجھے دیکھ کر مسکراتا ہے، نیچے اتر آتا ہے. میں خیال کرتی ہوں میری حیات کا لمحۂ خوش کامی آگیا اور امید کرتی ہوں کہ اب دولت چاروں طرف بکھر جائے گی، لیکن ناگہاں وہ خود اپنا ھاتھ میرے سامنے بھیک کے لئے پھیلاتا ہے.''

یا کہتے ہیں ''عالم ایک محفل سماع ہے، فرش زمیں سے عرش بریں تک عالم امکان ترانۂ معرفت سے لبریز ہے.''

بشنو از نے چوں حکایت میکند
وز جدائی ها شکایت میکند

اور وہ نے میں خود ھی ہوں.

پھرا اس نے کو تو لے کر ھر اک کہسار و وادی میں
اسی میں کی ہے دم تو نے ھمیشہ تازہ موسیقی

یا کہتے ہیں کہ ''نہیں میں تو مغنی ہوں جس کی ملازمت

حضور الہی میں نغمہ سنجی ہے .

جب تو دیتا حکم ہے مجھ کو کہ ہوں نغمہ سرا
فخر سے دل میرا سینے میں سما سکتا نہیں، ،

''جب سب مغنی اپنا راگ ختم کرچکتے ہیں تو بربط نواز عالم خودی میں بربط اٹھا لیتا ہے اس وقت کی کیفیت بیان سے باہر ہے .

سرود تیرا کرے ہے روشن تمام عالم کو اے مغنی
ہے روح نغمہ رواں فلک پر مثال تار حیات دائم
رواں ہے ، گو سنگ ہوں مزاحم ترے ترانے کا پاک دریا
ہے کیسی دل میں مرے تمنا شریک تیرے سرود میں ہوں

صوت سرمدی کو سن کر طائر روح عرش آشیاں ہونا چاہتا ہے .

اے طائران قدس را افزودہ عشقت نالہا
در حلقۂ سودائے تو روحانیاں را حالہا

چنانچہ کہتے ہیں .

طائر بازو کشادہ سینۂ دریا پہ ہے
میں بھی خوش خوش ہوں رواں پیش نظر ہے آشیاں
کر وسیع شہبال نغمہ عرش تک آیا ہوں میں
تیرا پابوس مقدس تو کہاں اور میں کہاں

وہ نغمہ جو اس محفل میں بجتا ہے سرود حقیقت ہے . اس سلطان الاذکار میں کوئی صدا یا ندا نہیں .

مرے نغمے کی آرائش نہیں جز عین عریانی
لباس اور ظاہری زینت سے تن اس کا مبرا ہے
نہیں شبنم صفت اک پیرہن تک وصل میں حائل
نہ زیور جو تری سرگوشیوں میں غل سے حارج ہو

گویا بقول نظیر اکبر آبادی :

دل ان کے تار ستاروں کے تن ان کے طبل طمانچے ھیں
منہ چنگ زباں دل سارنگی یا گھنگرو ھاتھ کمانچے ھیں
بن تاروں تار ملاتے ھیں تب نرت نرالا کرتے ھیں
بن ھاتھوں بھاؤ بتاتے ھیں بن پاؤں کھڑے گت بھرتے ھیں
جس گت پر ان کا پاؤں پڑا اس گت کی چال نرالی ھے
جس محفل میں وہ ناچے ھیں وہ محفل سب سے خالی ھے
ھیں راگ انھی کے رنگ بھرے اور بھاؤ انھی کے سانچے ھیں
جو بے گت بے سرتال ھوئے بن تال پکھاوج ناچے ھیں

یا کہتے ھیں ''عالم ایک باغ ھے جس میں میری ھستی ایک آرزومند پھول سے مشابہ ھے۔''

اس ذرا سے پھول کو بھر قبول
شاخ سے چن لینے میں مت دیر کر
ورنہ مجھ کو خوف ھے اے گلعذار
خشک ھو یہ خاک میں مل جائے گا
گو پریدہ رنگ ھے اور بو نحیف
رحم کر اور توڑ لے قبل از غروب
وقت ھے باقی عبادت کا ھنوز
بتکدے میں کردے دیول پر نثار

ٹیگور کا علم الاخلاق اپنشدوں کی تعلیم پر مبنی ھے۔ اپنشدوں کی تعلیم روحانیت کی تائید اور مادیت کے بطلان میں ھے ، لیکن سوال یہ ھے کہ روحانیت کیا ھے اور مادیت کیا ھے ۔

اپنشدوں کے روحانی فلسفے کے متعلق اکثر ھندو مفسرین اس مغالطے میں پڑگئے ھیں کہ وہ دنیا کو محض مایا تصور کرتے ھیں اور صرف ترک دنیا کو ''نروان''حاصل کرنے کا ذریعہ خیال کرتے ھیں ۔ اس مغالطے سے رھبانیت کا خیال ھندوؤں کے اعتقاد میں راسخ ھوگیا ھے اور حیات ملکی اور ملی بجائے جہد للبقا میں صرف ھونے کے منتشر اور

ضائع ہوتی ہے ۔ مسلمان بھی لفظ روحانیت بے محل استغنا کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں ۔ ٹیگور کا ہرگز یہ عقیدہ نہیں ''ٹیگور کا مذہب جبریہ نہیں بلکہ قدریہ ہے'' ۔ وہ اپنی کتاب الاخلاق ''سادھنا'' میں کہتے ہیں ''ماسوا کا ایک جزو ہونے کی حیثیت سے انسان نوامیس الہیہ اور قوانین قدرت کا ضرور مطیع ہے لیکن بالذات ''انا'' قطعاً آزاد ہے ۔''

سری کرشن مہاراج نے جو یہ فرمایا ہے کہ ''میں افعال سے بالا ہوں'' ۔ ان کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کامل بشر بیکار اور بیمثل زندگی بسر کرتا ہے بلکہ یہ مطلب ہے کہ جہاد زندگی اور تنازع للحیات میں کامیابی اور ناکامی کے خیال سے آزاد ہو کر بےلوث کوشش کرنی چاہئے۔

ٹیگور ''سادھنا'' میں بیان کرتے ہیں ''زندگی کی خوشی کام میں ہے کام میں ایک عجیب لذت ہے ۔ یہ لذت تکمیل حیات میں ممدومعاون ہے ۔ کوئی ذی حیات اس قدر محنت اور مشقت نہیں کرتا جس قدر انسان، اور یہی انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کی دلیل ہے ۔ زندگی تغیرات باطنہ کو تغیرات خارجہ سے مماثل اور مناسب کرنے پر منحصر ہے ۔ ہمارے ممالک میں لوگ حصول طاقت اور حصول وسعت کے روحانی اصولوں کو بھول گئے ہیں ۔ لوگ برھما سے صرف مراقبے سے معرفت حاصل کرنا چاہتے ہیں ۔ اور عالم کون و فساد میں جہاں اس کی ذات ذرہ ذرہ میں مصروف جہد ہے اس کو دیکھنے سے گریز کرتے ہیں ۔ اس یک طرفہ کیفیت سے ہندوستان کے مزاج میں ایک مجذوبیت پیدا ہوگئی ہے جس نے ہمیں دین اور دنیا دونوں سے کھو دیا ہے ۔ اگر کوئی شخص گیتان جلی کے مطالعہ سے یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ ٹیگور کی تعلیم اعتکاف نشینی اور چلہ کشی ہے تو اس سے زیادہ کوئی اور غلطی ممکن نہیں ۔ صومعہ نشینی گناہ ہے کیوں کہ معرفت الہی کام میں ہے آرام میں نہیں ۔ جو زن و فرزند اور فرائض زندگی اور علائق دنیا سے بھاگتا ہے ۔ وہ خود خدا سے بھاگتا ہے ۔ چنانچہ گیتان جلی میں کہتے ہیں ''یہ عبادت، نغمہ وسرود، یہ تسبیح خوانی چھوڑ! دروازہ بند کرکے، خانقاہ کے منسان اور تاریک

گوشے میں توکس کی پرستش کررہا ہے ؟ آنکھیں کھول ، دیکھ تیرا خدا تیرے رو برو نہیں ، وہ تو وہاں ہے جہاں کاشتکار سخت زمین میں ہل چلا رہا ہے ، جہاں سڑک بنانے والا پتھر توڑ رہا ہے . وہ تو ان کے ساتھ دھوپ اور بارش میں ہے، اس کا ملبوس خاک سے اٹا ہواہے. یہ خرقۂ سالوس اتار کے پھینک دے اور اس کی طرح خاک زمیں پر اتر آ.،، زاهدانہ یا فلسفیانہ گوشہ نشینی ایک ابدی قبر ہے ، آزاد وہ هیں جو بنی نوع کو ظالمانہ قیود سے آزاد کرتے هیں ، جو حریت کے علم بردار هیں ، جن کا لقب فاتح ہے ، جن کو خدانے اپنی تیغ جوہر دار عطا کی ہے .

میں بھی تری نگاہ الفت کا منتظر ہوں
بس اسی سبب سے مجھ کو تاخیر ہو رہی ہے
هرچند ہو رہے هیں زیادہ گناہ لیکن
قانون اور شریعت سے دشمنی ہے مجھ کو
آئین دھر سے هوں میں بر سر بغاوت
جلاد و محتسب سے ڈرتا نہیں هوں اصلا
جو چاھتے هیں قائل معقول مجھ کو کرنا
میں تو تری نگاہ الفت کا منتظر هوں
بس اسی سبب سے مجھ کو تاخیر ہورہی ہے !

،، میرا خیال تھا کہ میں تجھ سے گلاب کا وہ ہار مانگوں گی جو تیری گردن میں ہے لیکن همت نہ ہوئی . بالاخر صبح کی منتظر رہی کہ جب تو جانے لگے گا تو بستر پر چند اجزا اس کے رہ جائیں گے، لے لوں گی . ایک بھکارن لڑکی کی طرح میں نے صبح کو تلاش کی کہ ایک دو هی پریشان پنکھڑیاں مل جائیں لیکن مجھے کیا ملا ؟ تیری محبت کی کونسی نشانی میں نے پائی ؟ نہ وہ پھول ہے نہ کوئی خوشبودار مسالہ نہ کوئی عطر کا ظرف ، وہ تیری زبردست تلوار ہے شعلے کی طرح چمکدار اور گرج کی طرح وزنی ،... .... جن کے

لئے زندگی ایک روز مشقت ہے ان کے لئے موت ایک پر راحت شب آرام ہے ، شبستان وصل کا دروازہ ہے . پھول گوندھ لئے گئے ہیں ، ہار دولھا کے لئے تیار ہے . شادی کے بعد دلہن اپنا گھر چھوڑ دے گی اور اپنے مالک سے تنہا رات کے سناٹے میں ملے گی . ،،

ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری

گیتان جلی

چند دنوں پہلے میں نے ایک مقتدر بنگالی ڈاکٹر سے کہا
''مجھے جرمن زبان نہیں آتی لیکن اگر کسی جرمن شاعر کا ترجمہ
مجھے متاثر کرے تو میں برٹش میوزیم جاؤں گا اور ایسی کتابیں تلاش
کروں گا جو مجھے اس شاعر کی زندگی اور اسکی فکری تاریخ کے بارے
میں کچھ بتاسکیں ۔ رابندر ناتھ ٹیگور کی ان نظموں کے نثری ترجموں
نے میرے فکر و احساس کو اس طرح متحرک کردیا کہ گزشتہ چند
ایک سالوں میں دوسری کوئی چیز مجھ پر اس طرح اثر انداز نہیں ہو
سکی تھی لیکن اس کے باوجود اگر ٹیگور کے بارے میں کوئی ہندوستانی
مسافر مجھے معلومات نہیں دے گا تو پھر میں ٹیگور کے زندگی کی بارے
میں لاعلم رہوں گا ۔ ،،

ڈاکٹر کا خیال تھا کہ میرا ٹیگور سے متاثر ہونا فطری بات تھی
اس نے کہا ''میں رابندرناتھ کو ہر دن پڑھتا ہوں ۔ انکی ایک سطر
کو پڑھنا دنیا کی ساری پریشانیوں کو بھول جانا ہے ،، میں نے اس سے
کہا کہ اگر رچرڈ ثانی کے دور میں لندن میں بسنے والے کسی انگریز کو
پلوٹارک اور دانتے کے ترجمے دکھلائے جاتے تو آپ اپنے سوالات کے
جواب کے لئے کوئی کتاب نہیں مل سکتی تھی بلکہ وہ فلورنس کے کسی
ساہوکار یا لامبارڈ کے کسی تاجر سے یہ سوالات پوچھتا ۔ ٹیگور کی
اتنی بھرپور اور اتنی سادہ شاعری سے مجھے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ
تمہارے ملک میں نشاۃ ثانیہ کا آغاز ہوچکا ہے اور مجھ تک یہ بات

صرف افواہوں کے ذریعے پہونچ سکے گی. ڈاکٹر نے جواباً کہا ،،ہمارے ہاں اور بھی شاعر ہیں لیکن کوئی ٹیگور کے پائے کا شاعر نہیں ہے . ٹیگور ہمارے ہاں جتنا مشہور ہیں اتنا یورپ میں کوئی شاعر مشہور نہیں ہے . ہم اس عہد کو ٹیگور کا عہد کہتے ہیں . ٹیگور موسیقی میں بھی اتنے ہی عظیم ہیں جتنے شاعری میں . مغربی ہندوستان سے برما تک جہاں جہاں بنگالی بولی جاتی ہے ان کے گیت گائے جاتے ہیں . وہ انیس سال کی عمر میں ہی مشہور ہو گئے تھے جب انہوں نے اپنا پہلا ناول لکھا تھا . اسکے دوچار سال بعد انہوں نے جو ڈرامے لکھے وہ آج تک کلکتہ میں کھیلے جاتے ہیں . میں انکی زندگی کے بھرپورپن کا گرویدہ ہوں . وہ جس وقت بہت نو عمر تھے ان دنوں فطری مناظر اور اشیا انکے موضوعات تھے سارا سارا دن وہ اپنے باغ میں بیٹھے رہتے . اپنی عمر کے پچیسویں سال سے پینتیسویں سال تک جب وہ ایک عظیم دکھ کا شکار تھے — انہوں نے ہماری زبان کی بہترین عشقیہ شاعری لکھی ،، ڈاکٹر نے رک کر گہرے جذبات کے ساتھ کہا،، الفاظ کبھی بتا نہیں سکیں گے سترہ برس کی عمر میں مجھے ٹیگور کی عشقیہ شاعری نے کیا دولت دی تھی . اسکے بعد ان کے فن میں گہرائی آتی گئی اور وہ مذہبی اور فلسفیانہ بنتا گیا. نوع انسانی کی ساری تمنائیں انکے نغمات میں آگئی ہیں . ہمارے سنتوں میں وہ پہلے آدمی ہیں جس نے ترک دنیا نہیں کیا بلکہ زندگی میں رس بس کر بات کی اور اسی وجہ سے ہم نے انکے قدموں میں اپنی محبت کا نذرانہ ڈال دیا ہے .،، ممکن ہے میرے حافظے نے ڈاکٹر کے الفاظ میں کوئی ترمیم یا تبدیلی کرلی ہو لیکن اسکے خیالات جوں کے توں پیش ہوئے ہیں پھر اس نے کہا ،،کچھ دنوں پہلے ٹیگور کو ہمارے ایک چرچ میں (ہم برہمو سماج والے تمہارا انگریزی کا لفظ ،، چرچ ،، استعمال کرتے ہیں) عبادت منعقد کرنی تھی یہ کلکتہ کا سب سے بڑا چرچ تھا اور نہ صرف چرچ میں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی بلکہ دریچوں تک میں لوگ کھڑے ہوئے تھے اور ہجوم کی وجہ سے راستوں میں چلنے کی جگہ

نہیں رہی تھی .،،

اس ڈاکٹر کے علاوہ دوسرے ہندوستانی بھی مجھ سے ملنے آتے اور ہماری اس دنیا میں ، جہاں ہم کھلے تمسخر اور نیم سنجیدہ رویے سے ہر چیز کی قدر و قیمت کا ناس کردیتے ہیں، ٹیگور کے لئے ان کی عقیدت مجھے بڑی عجیب و غریب معلوم ہوتی تھی . کیا اس زمانے میں جب ہم اپنے کیتھیڈرل تعمیر کر رہے تھے ہم نے اپنے عظیم افراد کے لئے اسی قسم کی عقیدت محسوس کی تھی ؟ ایک ہندوستانی نے مجھے بتایا ''میں اسکا عینی شاہد ہوں وہ ہرروز علی الصبح کوئی تین بجے مراقبہ میں چلے جاتے ہیں اور ساکت بیٹھے رہتے ہیں اور دو گھنٹے ذات باری پر غور کرتے ہوئے مستغرق رہتے ہیں . انکے پتا مہارشی کبھی کبھی سارا سارا دن اسی عالم محویت میں بیٹھے رہتے ہیں . ایک بار کشتی میں جاتے ہوئے منظر کی خوبصورتی سے متاثر ہوکر ان پر ایسی کیفیت طاری ہوگئی کہ وہ عالم فکر میں گم ہو گئے اور کشتی چلانے والوں کو سفر جاری کرنے کیلئے کوئی آٹھ گھنٹے انتظار کرنا پڑا ،، اسکے بعد اس ہندوستانی نے ٹیگور کے خاندان کا ذکر کیا اور مجھے بتایا کہ ٹیگور کا خاندان پشتہا پشت سے عظیم افراد پیدا کرتا رہا ہے . '' آج ،، اس نے کہا ''گگونندرناتھ اور ابنندرناتھ ٹیگور ہیں جو آرٹسٹ ہیں . دیوجیندر ناتھ جو ٹیگور کے بھائی ہیں ایک بڑے فلسفی ہیں . ان کے استغراق کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ جس وقت وہ عالم فکرمیں ہوتے ہیں گلہریاں شاخوں سے اتر کر انکے گھٹنوں پر چڑھ جاتی ہیں اور پرندے ان پر بیٹھ جاتے ہیں،، میں نے ان لوگوں کے خیالات میں ایک نظر آنے والی خوبصورتی اور معنویت کا احساس اسطرح دیکھا جیسے یہ لوگ نطشے کے اس نظریے کے علمبردار ہوں کہ ہمیں کبھی بھی ایسے اخلاقی یا فکری حسن پر یقین نہیں رکھنا چاہئے جو جلد یا بدیر مادی اشیا پر اثر انداز نہ ہوسکے . میں نے اس ہندوستانی سے کہا ''مشرق میں تم لوگ اپنے خاندان کو معزز و محترم رکھنے کا گر جانتے ہو ،، اس نے کہا ''ٹیگور کو

اپنے بچپن میں اپنے گھر میں ہر طرف ادب اور موسیقی کا ماحول ملا،،
میرا ذہن ٹیگور کی نظموں کی سادگی اور والہانہ کیفیت کی طرف گیا اور
میں نے اس سے پوچھا ''کیا تمہارے ملک میں تنقیدی اور تبلیغی
تحریریں زیادہ لکھی جاتی ہیں ؟ ہمیں تو یہ سب کرنا پڑتا ہے ،
خصوصاً میرے اپنے ملک میں تو اس کی اتنی افراط ہے کہ رفتہ رفتہ
ہمارے ذہن جامد ہوجاتے ہیں ، لیکن اس کے باوجود ہمیں اس سے
کوئی راہ مفر نہیں ملتی . ہماری زندگی اگر ایک جہد مستقل نہ ہو
تو ہمارے ہاں خوش ذوقی باقی نہ رہے . ہم اچھی چیزوں کو پہچان
سکیں نہ اپنے لئے سامعین و قارئین تلاش کرسکیں . ہماری زندگی
کا تین چوتھائی حصہ بدمذاقی کے خلاف جہاد کرنے میں بسر ہوجاتا
ہے، خواہ بدمذاقی ہمارے اپنے ذہن میں ہو یا دوسروں کے ذہن میں،،.

''میں یہ بات سمجھتا ہوں،، اس نے کہا . ''ہمارے ہاں بھی تبلیغی
تحریریں لکھی جاتی ہیں . دیہاتوں میں ازمنۂ وسطیٰ کی سنسکرت سے
اخذ کردہ طویل دیومالائی نظمیں پڑھی جاتی ہیں اور ان نظموں میں اکثر
ایسے حصے شامل کرلئے جاتے ہیں جن میں لوگوں کو اپنے فرائض کی
ادائیگی کی طرف متوجہ کرایا جاتا ہے،،.

۲

میں کئی دنوں تک ان نظموں کے تراجم اپنے ساتھ لئے
پھرتا رہا اور ریلوے ٹرینوں میں ، بسوں میں ، ہوٹلوں میں یہ نظمیں
پڑھتا رہا . اکثر اوقات مجھے اس ڈر سے کتاب بند کردینی پڑتی تھی
کہ کہیں دوسرے لوگ دیکھ نہ لیں کہ یہ نظمیں مجھے کس طرح
از خود رفتہ کئے دیتی ہیں . یہ غنائی نظمیں — جن کے بارے میں
مجھے میرے ہندوستانی دوستوں نے بتایا ہے کہ اپنی اصلی زبان میں
یہ نظمیں ناقابل ترجمہ لطافت رنگ و صوت اور عروض و آہنگ کے
اعلیٰ ترین تنوع اور تاثر کی حامل ہیں — اپنے اندر ایک ایسی دنیا

لئے ہوئے ہیں جس کے خواب میں نے عمر بھر دیکھے ــ ایک اعلیٰ ترین ثقافت کا اظہار ہوتے ہوئے بھی یہ نظمیں یوں معلوم ہوتی ہیں جیسے سبزے کی طرح عام زمین سے اُگی ہوں. ایک روایت ــ جس میں مذہب اور شاعری ایک ہی چیز بن گئے ہیں ــ صدیوں سے منتقل ہوتی ، جانے اور انجانے احساسات اور علامات سے مواد حاصل کرتی عالموں اور مفکروں کا پیغام بن کر دوبارہ عوام تک آئی ہے. اگر بنگال کی تہذیب سالم رہے اور وہ عام ذہن جو سب میں مشترک ہے، ہماری طرح درجنوں الگ الگ ایک دوسرے سے نا واقف ذہنوں میں نہ بٹ جائے تو پھر ان نظموں کی گہری سے گہری کیفیت چند ایک نسلوں میں راستہ چلنے والے گداگروں تک پہنچ جائے گی. جس زمانے میں چاسر نے اپنی کتاب 'ٹرائیلس اینڈ ریسیدا' لکھی تھی اُس وقت انگلستان کا ذہن ایک تھا اور گو چاسر نے یہ کتاب پڑھنے یا پڑھ کر سنائے جانے کے لئے لکھی تھی ، لیکن ایک عرصہ تک مغنی اور مطرب اس کی نظمیں گاتے رہے. چاسر کے پیشروؤں کی طرح ٹیگور نے بھی انفاظ کی جگہ موسیقی رکھدی ہے اور اسے پڑھتے ہوئے ہر لمحہ محسوس ہوتا ہے کہ اُن کے ہاں اتنی بے ساختگی اتنا والہانہ پن، جذبے کے اظہار میں اتنی جراُت اور اتنا تحیر اس لئے ملتا ہے کہ انہیں اپنا کام کبھی عجیب ، غیر فطری یا جواز طلب نہیں معلوم ہوا. بے حد خوبصورتی سے چھپی ہوئی ایسی کتابوں میں یہ نظمیں نہیں رہ سکتیں جو خواتین کی میزوں پر پڑی رہتی ہیں اور جن کے صفحات کو معزز خواتین اپنے آرام طلب ہاتھوں سے اُلٹ پلٹ کر ایک ایسی زندگی پر آہیں بھریں جس میں کوئی معنویت نہیں تھی اور جو بس ایسی ہی زندگی سے آشنا ہوتی ہیں. یہ نظمیں ایسی کتابیں بھی نہیں ہیں جنھیں طلباء اپنے ہاتھوں میں لئے ہوئے یونیورسٹی کو جاتے ہیں اور جب کالج سے نکل کر زندگی کی رزم گاہ میں آتے ہیں تو انہیں الگ رکھدیتے ہیں. یہ تو وہ نظمیں ہیں جو گذری ہوئی نسلوں کے ساتھ ساتھ راستہ طے کرتے ہوئے مسافروں اور کشتیاں چلانے والے ملاحوں کے ہونٹوں پر نغمات

بن کر ابھریں گی ۔ محبت کرنے والے دل ایک دوسرے کے انتظار میں
یہ نغمات گنگنائیں گے اور شاہد مطلق سے محبت کے اس چشمے میں
ان کے اپنے تلخ و کربناک احساسات ڈوب کر از سر نو تازہ و شگفتہ
ہو کر ابھریں گے ۔ ان نظموں کے شاعر کا دل ہر آن ان معمولی اور
چھوٹے لوگوں کی طرف لپکتا ھے ۔ وہ ان لوگوں کو تحقیر یا تمکنت
سے نہیں دیکھتا کیونکہ اس کا دل جانتا ھے۔ یہ لوگ اسے سمجھیں
گے اور پہچانیں گے اور اس کی شاعری میں ان کی زندگی رسی بسی ہوئی
ھے ۔ وہ مسافر جو اس خیال سے خاکی کپڑے پہنتا ھے کہ راستے کا گرد
و غبار اس کے کپڑوں پر نظر نہ آئے ۔ وہ لڑکی جو اپنے بستر میں ان
پنکھڑیوں کی تلاش کرتی ھے جو اس کے محبوب شہزادے کے گلدستے
سے گرے تھے ۔ وہ نوکر یا بیوی جو سونے مکان میں اپنے آقا کی واپسی
کا انتظار کررھے ھیں ، یہ سب دراصل ذات باری کی طرف پلٹتے ہوئے
انسانی دل کی مختلف تصویریں ھیں ۔ پھول اور ندیاں، پھنکتے ہوئے
سنکھ ، ھندوستان کے موسم برشگال کی بارش، زبان خشک کردینے والی
گرمی یہ سب قرب سے سرشار یا مہجوری کی آگ میں جلتے ہوئے دل
کے مختلف رنگ ھیں ۔ ندی کی لہروں پر رواں دواں کشتی میں کوئی
بیٹھا ہوا بانسری بجارھا ھے اور چینی تصویر کے اس آدمی کی طرح
جو پراسرار معنویت سے معمور ھے وھی خدا ھے ۔

ایک پوری قوم ایک پوری تہذیب جو ھمارے لئے بے حد
اجنبی ھے ، اس تخیل کی گرفت میں آگئی ھے ۔ لیکن یہ اجنبیت نہیں
ھے جو ھمیں متاثر کرتی ھے بلکہ اس کا سبب یہ ھے کہ یہاں ہم نے
اپنی شبیہ پالی ھے جیسے ہم روسٹی کے ' ولووڈ ' میں جانکلے ہوں یا
پہلی بار ادب میں ہم نے اپنی آواز یوں سنی ہو جیسے خواب میں ۔

نشاۃ ثانیہ کے بعد سے یوروپی سنتوں کی تحریرات میں ھمارے
لئے کوئی جاذبیت نہیں رھی گو ان کے استعارے اور ان کی فکر کا تمام
ڈھانچہ ھمارے لئے کتنا ھی مانوس اور آشنا کیوں نہ ہو ۔ ہم
جانتے ھیں کہ آخرکار ایک دن ھمیں اس دنیا کو چھوڑنا پڑے گا

اور ہماری زندگی میں کئی بار ایسے لمحے آتے ہیں ۔ جن میں ہم ترک دنیا کے بارے میں سوچنے کے عادی ہوگئے ہیں ۔ لیکن اتنی شاعری اتنی تصویریں اتنی موسیقی پڑھنے دیکھنے اور سننے کے بعد ہم جو جسم اور روح کی فریاد کو ایک دیکھ چکے ہیں کس طرح اس سے درشتگی کے ساتھ منہ موڑسکتے ہیں ؟ سینٹ برنارڈ کے (جس نے اپنی آنکھوں کو اس لئے بند کرلیا تھا کہ وہ سوئزر لینڈ کی جھیلوں کی خوبصورتی نہ دیکھ سکے) اور ہمارے درمیان کیا چیز مشترک ہے ؟ اس کے بجائے کمپس اور سینٹ جان دی کراس کی آوازوں سے بہت دور ہٹ کر جب یہ آواز آتی ہے ''چونکہ میں نے اس زندگی سے محبت کی ہے اس لئے مجھے معلوم ہے کہ میں موت سے بھی محبت کرسکتا ہوں،، تو ہمیں یہ اپنے ہی دل اور مزاج کی پکار معلوم ہوتی ہے ۔ ہمیں معلوم نہیں تھا کہ ہم نے خدا سے محبت کی ہے بلکہ شاید اصل صورت حال یہ ہے کہ ہمیں اس کی ذات پر شاید ہی اعتماد تھا ۔ لیکن پھر بھی جب ہم اپنے گذرے ہوئے دنوں کی باز یافت کرتے ہیں — جنگلوں میں بھٹکتے ہوئے راستے کی تلاش ، پہاڑوں کے تنہا مساکن ، وہ پراسرار اور ناکام تقاضے جو ہم نے کبھی اس عورت سے کئے جس سے ہمیں محبت تھی — تو اس جذبے کا سراغ ملتا ہے جس نے اس چپکے چپکے بڑھنے والے تاثر اور شیرینی کی تخلیق کی ۔

''میرے دل میں بن بلائے ، ایک اجنبی کی طرح داخل ہوجانے والے آقا تم نے میری زندگی کے کتنے ہی گذران لمحوں پر ابدیت کی مہر ثبت کردی ،، ۔ یہاں خانقاہ کے تقدس یا عقوبت کے ڈر کا کہیں پتہ نہیں چلتا بلکہ ہم اپنے وجود کی سطح سے بلند ہوکر اس مصور کے احساس اور مزاج کی عظیم تر شدت میں شامل ہوجاتے ہیں جو راستے کے غبار اور سورج کی زرتار شعاعوں کی تصویریں بناتا ہے ایسی ہی آواز سننے کے لئے ہم سینٹ فرانسیس اور ولیم بلیک کی طرف رجوع کرتے ہیں جو ہماری ہنگامہ خیز تاریخ میں اجنبی معلوم ہوتے ہیں ۔

۳

ہم لوگ طویل کتابیں لکھتے ہیں جن میں شاید ایک صفحہ بھی ایسا نہیں ہوتا جس نے لکھنے کو مسرت میں تبدیل کیا ہو. ایک بندھے ٹکے عام خاکے پر ایمان رکھے ہوئے ہم لوگ اس طرح لکھتے چلے جاتے ہیں جس طرح صبح و شام روپیہ کی خاطر جد و جہد کرتے ہیں اور دماغوں کو سیاست سے پر رکھتے ہیں. اور اسی دور میں ٹیگور نے ہندوستانی تہذیب کی طرح، اپنی روح کو دریافت کرنے اور اپنے آپ کو پورے والہانہ پن سے اس کے سپرد کردینے میں قناعت کرلی. اکثر یوں معلوم ہوتا ہے جیسے ٹیگور اپنی زندگی سے ان لوگوں کی زندگی کا تضاد دکھا رہے ہیں جو ہماری طرز حیات کے پیرو ہیں اور جنہیں دنیاوی اعتبار سے زیادہ اہم اور کارآمد لوگ سمجھا جاتا ہے. یہ تضاد ٹیگور بڑے انکسار سے پیش کرتے ہیں گویا معذرتاً کہ رہے ہوں: میرا طریقۂ حیات تو صرف میرے لئے اچھا ہے. ,, گھروں کو جاتے ہوئے لوگ مجھے دیکھتے ہیں اور مسکراتے ہیں تو میں شرم کے مارے گڑ جاتی ہوں. میں ایک بھکارن کی طرح اپنا آنچل منہ پر ڈالے ہوئے بیٹھتی ہوں. جب وہ پوچھتے ہیں مجھے کیا چاہئے تو میری آنکھیں جھک جاتی ہیں اور میں انہیں کوئی جواب نہیں دے پاتی ،،. ایک اور موقعہ پر جب ٹیگور کو خیال آتا ہے کہ کسی زمانے میں ان کی زندگی کس قدر مختلف تھی تو وہ کہتے ہیں ,, میں نے کتنے ہی گھنٹے خیر و شر کی آویزش میں گذار دئے لیکن اب میرے بے مصرف دنوں میں میرے ساتھ کھیلنے والے ساتھی کی مسرت مجھے اپنی طرف زیادہ کھینچتی ہے اور مجھے نہیں معلوم یہ اچانک تقاضہ کیوں ہورہا ہے اور مجھے کس طرف لے جائے گا ،،.

ایک ایسی سادگی اور معصومیت، جو ادب میں کہیں اور نظر نہیں آتی ، گاتے ہوئے پرندوں ، جھلملاتے ہوئے پتوں اور موسم کی تبدیلیوں کو ٹیگور کے اتنا قریب لے آتی ہے جتنا قریب یہ چیزیں بچوں

کے لئے ہوتی ہیں ۔ کبھی میں سوچتا ہوں ٹیگور نے یہ چیز بنگالی ادب سے لی ہے یا مذہب سے اور کبھی جب مجھے ٹیگور کے بھائی کے کاندھوں اور ہاتھوں پر اتر آنے والے پرندوں کا خیال آتا ہے تو مجھے یہ سوچ کر مسرت ہوتی ہے کہ شاید یہ چیز ٹیگور کو ورثہ میں ملی ہے ۔ ایک اسرار ، ایک کیفیت جو صدیوں سے نشو و نما پا رہی تھی ۔ در حقیقت ٹیگور جب بچوں کی باتیں کرتے ہیں تو یہ باتیں ان کی طبیعت اور فطرت کا ایسا جزو معلوم ہوتی ہیں کہ یہ فیصلہ کرنا دشوار ہوجاتا ہے کہ وہ سنتوں کی بات نہیں کررہے ہیں ۔

”یہ بچے اپنے گھر ریت سے بناتے ہیں اور خالی گھونگھوں سے کھیلتے ہیں ۔ سوکھے پتوں سے اپنی کشتیاں بناتے ہیں اور مسکراتے ہوئے انہیں طوفانی موجوں کے سپرد کر دیتے ہیں ۔ انہیں تیرنا نہیں آتا ، جال پھینکنا نہیں آتا ۔ صدف گیر موتیوں کے لئے غوطہ لگاتے ہیں ۔ تاجر جہازوں میں اپنے سفر پر روانہ ہیں ۔ بچے خزف ریزے جمع کرتے ہیں اور پھر پھینک دیتے ہیں ۔ انہیں خفیہ خزانوں کی تلاش نہیں اور نہ ہی انہیں جال پھینکنا آتا ہے ۔“

ڈبلیو ۔ بی ۔ ایٹس

محمود ایاز

(ستمبر ۱۹۱۲ء)

دو خط

اندرا دیوی چودھرانی کے نام

از لندن
٦ مئی ١٩١٣ء

انگریزی میں گیتان جلی کا ترجمہ کیسے ہوا، اس کے بارے میں تمہیں کچھ بتانا چاہتا ہوں. میں نے اپنے بنگلا گیتوں کے ترجمے انگریزی میں کیسے کئے اور لوگوں کو یہ ترجمے اتنے پسند کیوں آئے —— آج بھی جب ان باتوں پر غور کرتا ہوں تو مجھے تعجب ہوتا ہے. اس کا اعتراف کرتے ہوئے ذرا بھی شرم نہیں محسوس ہوتی ہے کہ مجھے انگریزی لکھنا نہیں آتا. میرے پاس کہیں سے دعوت نامہ انگریزی میں آتا ہے تو اسکا جواب انگریزی ہی میں دیتے ہوئے ڈر لگتا ہے. شاید تم سمجھ رہی ہوگی کہ میرے اندر سے یہ کمزوری ابتک دور ہوگئی ہوگی. بات یہ نہیں ہے . اب تک اس بات پر حیرت ہوتی ہے کہ اپنے گیتوں کے ترجمے انگریزی میں کیسے کر ڈالے . اس کی بھی ایک داستان ہے .

تب چیت کا مہینہ شروع ہوگیا تھا اور آموں میں بور آنے لگے تھے. بچہ جب تازہ دم ہوجائے تو اسے ماں یاد نہیں آتی اور جب کھیل کود کے بعد تھک سا جاتا ہے تو وہی بچہ ماں کی گود میں بیٹھکر آرام کرنا چاہتا ہے. یہی کیفیت میری بھی تھی. میں نے بھی پورے انہماک کے ساتھ چیت مہینہ کے خوشگوار دنوں سے فائدہ اٹھانا چاہا. چیت کی ہوائیں، اس کی روشنیاں، اس کی خوشبوئیں، اس کے گیت — سب

ایک ایک کر کے مجھ سے ہم آغوش ہونے لگے۔ ایسے عالم میں چپ سادھے بیٹھے رہنا کیسے ممکن تھا۔ تم تو جانتی ہی ہو کہ جب میرے جسم سے معطر ہوائیں چھو جاتی ہیں تو دل کا تار جھنجھنا اٹھتا ہے۔ ایسی فضا میں، میں گیتان جلی کے بنگلہ گیتوں کے انگریزی ترجمے کرنے بیٹھ گیا۔ یہاں تک ایک کاپی سیاہ کر ڈالی۔ اس کاپی کو جیب میں رکھکر جہاز میں سوار ہوگیا۔ جیب میں اس لئے رکھ لی تاکہ سمندری سفر میں جب بھی طبیعت ذرا گرانبار ہو تو عرشے پر آجاؤں گا اور ترجمے شروع کردوں گا۔ واقعہ بھی یہی ہوا۔ ایک کاپی کے بعد دوسری کاپی بھی بھر گئی۔ میری شاعرانہ طبیعت کا حال روئنسٹائن ہندوستان میں میرے ایک دوست کی زبانی سن چکے تھے۔ چنانچہ جب انہوں نے باتوں باتوں میں میرے گیتوں کے ترجمے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تو میں نے بادل نخواستہ دونوں کاپیاں ان کے حوالے کردیں۔ انہوں نے ترجمے پڑھ کر میری ایسی تعریف کی کہ مجھے ذرا بھی یقین نہ آیا۔ اس کے بعد ہی انہوں نے یہ ترجمے ایٹس کو بھیج دئے۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ سن چکی ہو۔

گیتان جلی میں میرے جو گیت ہیں وہ میں نے قصداً نہیں لکھے۔ در اصل یہ میری روح کی آوازیں ہیں، میری روح کی عبادتیں ہیں۔ ان کے اندر میری زندگی کے وہ سارے دکھ سکھ وہ ساری بندگیاں ہیں جو الفاظ کا روپ دھار کرچکی ہیں۔

شانتی نکیتن کے ایک پروفیسر کے نام:

تم نے میرے اس گیت کے ترجمے کی بابت دریافت کیا ہے ۔ تم مزید سنو گے کہ میرے گیت یہاں کے لوگوں کو بہت پسند آئے ہیں ۔ تم لوگوں نے تو چند ہی گیت دیکھے تھے۔ جہاز پر بہت لکھے اور یہاں آکر بھی برابر لکھتا جارہا ہوں ۔ میرا خیال ہے کہ اب تک ایک سو سے اوپر میں لکھ چکا ہوں ۔ یہ سارے گیت ایٹسس اپنے ساتھ نارمنڈی لے گئے ہیں ۔ وہیں وہ دیباچہ لکھیں گے ۔ اور پھر انڈیا آفس سے اس کی طباعت ہوگی۔ ایک دن شوفورڈ بروک کے ساتھ ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے میرے مسودے دیکھے۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ انہیں میرے گیت اتنے پسند آئیں گے ۔ ان کے خیال میں میرے گیت انمول خزانہ ہیں۔ جب بول پور میں بیٹھکر میں یہ گیت لکھ رہا تھا اس وقت سوچا بھی نہ تھا کہ سمندر پار یہ کسی مصرف میں بھی آئیں گے ۔ صرف یہی نہیں بلکہ اکثر میں سوچتا تھا اور کئی بار تم لوگوں سے بھی اس کا اظہار کیا تھا ۔ کہ نہ جانے میرے یہ گیت بنگلا ادب میں کوئی مقام بھی حاصل کرسکیں گے۔ اب یہ حقیقت مجھ پر واضح ہوئی ہے کہ خود کے لئے لکھنا سبھوں کے لئے لکھنا ہوتا ہے۔ اور چیز سادہ ہو تو قیمت کئی گنا زیادہ ہوجاتی ہے۔

— مترجمہ : یونس احمر

ٹیگور بیک نظر

(۱۸۶۱ء تا ۱۹۴۱ء)

۱۸۶۱ء — ۶ مئی دوشنبہ ، دیوندر ناتھ اور سارا دیوی کی چودھویں اولاد رابندر ناتھ ٹیگور پیدا ہوئے .

۷۰—۱۸۶۹ء — اورینٹل سمینری اور نارمل اسکول کلکتہ میں شرکت اور نظم نگاری کی ابتدا .

۷۲—۱۸۷۱ء — بنگال اکیڈیمی اور پھر اینگلوانڈین اسکول میں زیر تعلیم رہے لیکن مکتبی درسیات سے بے توجھی رہی .

۱۸۷۳ء — ڈرامہ ''پرتھوی راج کی شکست،، لکھا . والدہ کے ساتھ شمالی ہندوستان کا تفریحی سفر کیا اور سفر کے دوران سنسکرت اور انگریزی پڑھی .

۱۸۷۴ء — واپسی کلکتہ اور شرکت سینٹ زیویر اسکول . ''بھارتی،، میں میکبتھ کا بنگالی ترجمہ چھپا .

۱۸۷۵ء — مجمع عام میں پہلی نظم کی خواندگی. والدہ کا انتقال

۱۸۷۶ء — طویل نظم ''گل صحرا،، کی تصنیف .

۱۸۷۷ء — لارڈلٹن کے دھلی دربار کی ھجو میں نظم لکھی اور طویل افسانہ ''بھکارن،، ادھورا ناول ''کا رونا،، طویل نظم ''سرگذشت شاعر،، انگریزی میں تنقیدی مضامین ''طور طریق،، اور دیگر ادبی تخلیقات کی تصنیف .

۷۹—۱۸۷۸ء پہلا سفر انگلستان . یونیورسٹی کالج لندن میں شرکت . مغربی علم موسیقی کی تحصیل . دارالعوام کے اجلاس میں شرکت اور برٹش میوزیم میں آمدورفت . ابتداً منظوم ڈرامہ ''شکستہ دل،، بھارتی میں ''زائر یورپ کے خطوط،، کی اشاعت .

۱۸۸۰ ء — بغیر سند لئے لندن سے ہندوستان واپسی .

۱۸۸۱ ء — غنائی ڈرامہ '' والمیکی کی ذہانت ،، کی اشاعت اور پیش کشی . '' موسیقی اور جذبات ،، کے زیر عنوان کلکتہ میڈیکل میں سب سے پہلی تقریر. نظموں کا مجموعہ '' شام کے گیت ،، کی اشاعت . مدراس کا سفر. ناول '' دی ینگ کوئینس مارکٹ ،، کی '' بھارتی ،، میں مسلسل اشاعت. بے قافیہ منظوم ڈرامہ '' ردراچند ،، کی تصنیف و اشاعت .

۱۸۸۲ء — غنائی ڈرامہ '' مہلک شکار ،، کی پیش کشی و اشاعت .

۱۸۸۳ء — ۹ دسمبر کو مرنالینی دیوی سے شادی. منظوم ڈرامہ '' انتقام فطرت '' لکھا جس کا انگریزی ترجمہ ''سنیاسی،، کے نام سے ہوا۔ سیاسی مضامین کی تصنیف .

۱۸۸۴ء — بھاوج کے انتقال کا صدمہ . آدھی برہمو سماج کے معتمد ہوئے۔ ممتاز ناول نگار بنکم چندر چٹرجی سے مباحثہ . ڈرامہ '' نالینی '' اور مجموعہ نظم'' بچپن کے گیت ،، کی اشاعت .

۱۸۸۵ء — باندرہ اور شولا پور میں قیام. ڈراموں' افسانوں اور وشنو شعراء کی نظموں کے گلدستہ تصنیف و اشاعت و ترتیب .

۱۸۸۶ء — پہلی لڑکی مدھوری لتا کی ولادت . انڈین نیشنل کانگریس کے اجلاس منعقدہ کلکتہ میں افتتاحی نظم سنائی .

۸۸ — ۱۸۸۷ء — رتھندر ناتھ کی ولادت ، غازی پور میں قیام. تنقیدی مضامین اور مجموعہ خطوط کی اشاعت و ڈرامہ '' کھیل ،، کی طباعت .

۱۸۸۹ء — ڈرامہ '' راجا اور رانی،، کی اشاعت اور پیش کشی۔

۱۸۹۰ء — دوسرا سفر یورپ . ڈرامہ '' قربانی،، کی تصنیف و پیش کشی . کالی داس کی کتاب میگھ دوت پر نظم لکھی اور سیتندر ناتھ کے ساتھ براہ فرانس و اٹلی سفر انگلستان اور واپسی پر شیلڈا میں قیام جہاں دوسری لڑکی رینوکادیوی کی پیدائش .

۱۸۹۱ء — شانتی نکیتن کا افتتاح . ماہنامہ '' سادھنا ،،

کا اجرا اور ''یورپ جاتری کی ڈائری،، اور افسانہ ''پوسٹ ماسٹر،، کی ہفتہ وار ''بتیا بدلی،، میں اشاعت۔

۱۸۹۲ء — نظموں کا مجموعہ ''سنہری کشتی،، اور بے قافیہ ڈرامہ ''چتر،، کی اشاعت اور میرا دیوی کی ولادت۔

۱۸۹۳ء — کاروباری سلسلے میں قیام اڑیسہ۔

۱۸۹۴ء — چھوٹے لڑکے سمندر ناتھ کی ولادت۔ ''سادھنا،، میں ہندو مسلم اتحاد اور ''بھارتی،، میں حیات اور فنون لطیفہ کے سلسلے کے مضامین کی اشاعت۔

۱۸۹۵ء — مختصر افسانوں کی ابتدا ''بھوکے پتھر،، نامی افسانے سے ہوئی۔

۱۸۹۶ء — سفر اڑیسہ اور غنائی ڈرامہ ''مالینی،، کی تصنیف۔ نظموں کے مجموعہ ''ندی،، اور ''آخری فصل،، کی اشاعت۔ کلیات نظم (کبیاگر ناتھ ولی) پر نظر ثانی اور اشاعت۔

۱۸۹۷ء — طربیہ ڈرامہ ''صحیفۂ جنت،، اور تین منظوم ڈرامے ''گندھاری کی اپیل،، ''ستی،، اور ''دوزخ کی سیر،، شائع ہوئے۔

۱۸۹۸ء — ورم اعصاب میں مبتلا اور سفر شملہ۔ حکومت کی رجعت پسند پالیسی کے خلاف احتجاجی مضامین لکھے اور بال گنگا دھر تلک کی گرفتاری کی مذمت کی اور تلک کے بچاؤ فنڈ میں عملی حصہ لیا۔

۱۸۹۹ء — پلیگ ریلیف میں معاونت۔

۱۹۰۰ء — شانتی نکیتن میں پہلا خطبہ۔ ظریفانہ مجموعۂ نظم ''کنیکا،، اور منظوم افسانہ ''کتھا،، کی اشاعت اور عشقیہ نظموں کے مجموعہ ''کشنیکا،، مزاحیہ ناول ''کنواروں کا کلب،، کی تصنیف۔

۱۹۰۱ء — شانتی نکیتن میں مستقل قیام۔

''برھما چاری آشرم،، کا سنگ بنیاد رکھا۔ رسالہ ''بنگلادرشن،، کی ادارت۔ ناول ''آنکھ کا کانٹا،، اور نظموں کے مجموعے ''نے بے دیا،،

اور '' نذریں '' کی اشاعت اور رینوکا دیوی کی شادی .

۱۹۰۲ء — مالی مشکلات میں گھرنا اور بیوی کے زیورات و '' پوری '' کے مکان کی فروختگی اور بیوی '' مرنالینی '' کی وفات . کلکتہ یونیورسٹی کے جلسہٗ تقسیم اسناد میں لارڈ کرزن نے خطبہ دیتے ہوئے مشرقی تہذیب پر حملے کئے تھے . ٹیگور نے رسالہ '' بنگلادرشن '' میں اس کا دندان شکن جواب شائع کرایا .

۱۹۰۳ء — الم انگیز مجموعہٗ نظم '' سمرن '' اور '' بچہ '' کی اشاعت . رینوکا دیوی کا انتقال .

۱۹۰۴ء — بنگال میں محررہ اپنی سوانحعمری کی اشاعت . سیاسی مضامین اور نصابی کتابوں کی تصنیف . دیہی صنعتوں کے احیاء کے لئے جدید تنظیم کے خاکہ کی تیاری . شانتی نکیتن میں ستیش رائے کا انتقال اور مدرسہ کی شیلڈا میں عارضی طور پر منتقلی .

۱۹۰۵ء — مہارشی دیوندر ناتھ ٹیگور کا انتقال . ماہنامہ '' بھاندار '' کا اجراء . ادبی کانفرنس تریپور کی صدارت . تقسیم بنگال کے متنازعہ موضوع پر کلکتہ کے ٹاؤن ہال میں خطبہ .

۱۹۰۶ء — بنگالی لٹریری کانفرنس کی صدارت اور نظموں کا مجموعہ '' چوراہا '' کی اشاعت '' علم الفلاحت '' کی تحصیل کے لئے رتندر ناتھ کو امریکہ بھجوایا گیا .

۱۹۰۷ء — سماجی مضامین اور ناول '' گورا '' کی تصنیف و اشاعت . سمندر ناتھ کا انتقال .

۱۹۰۸ء — بنگالی صوبائی کانفرنس میں '' راستہ اور زادراہ '' کے موضوع پر خطبہٗ صدارت . شانتی نکیتن میں ڈرامہ '' جشن خزانی '' کی پیش کشی .

۱۹۰۹ء — رتندر ناتھ کی امریکہ سے واپسی . ڈرامہ '' تاوان '' کی تصنیف اور افراد خاندان کے ساتھ کشتی پر سفر .

۱۹۱۰ء — '' گیتان جلی '' کے نظموں کی اشاعت اور شانتی نکیتن میں ڈرامہ '' تاوان '' کی پیش کشی . رتندر ناتھ کی شادی .

۱۹۱۱ء — شانتی نکیتن میں شاعر کا پچاس سالہ جشن سالگرہ۔ نظموں کے پہلے انگریزی ترجمہ کی ''ماڈرن ریویو'' میں اشاعت۔ ڈرامہ ''بادشاہ'' کی پیش کشی اور انگریزی میں افسانوں کے تراجم کی اشاعت۔

۱۹۱۲ء — رتندر ناتھ اور پریتما کے ہمراہ تیسرا سفر انگلستان۔ لندن میں ممتاز ادیبوں اور شاعروں سے ملاقاتیں اور خیرمقدمی تقاریب میں شرکت۔ امریکہ اربنا اور شکاگو میں قیام۔ ''ہندوستانی قدیم تہذیب کا تصور'' کے زیرعنوان شکاگو یونیورسٹی میں دانشوروں سے خطاب اور راچسٹر کی ریسس کانگریس میں شرکت و مقالہ کی قراءت۔ انڈین سوسائٹی لندن کی طرف سے گیتان جلی کے انگریزی ترجمہ کی اشاعت۔ بنگالی لٹریری اکیڈیمی کی طرف سے جوبلی ہال میں منعقدہ جشن جوبلی میں شاعر کو ایڈریس پیش کیا گیا۔ قومی ترانہ ''جنا، گنا، منا'' کی تصنیف۔ ڈرامہ ''ڈاک گھر'' اور ''قصر قدامت پسندی'' کے علاوہ تحقیقی مقالہ ''تاریخ ہند پر میری تشریح'' کی اشاعت۔

۱۹۱۳ء — ہارورڈ یونیورسٹی میں لیکچر۔ ہندوستان واپسی۔ گیتان جلی کا مشہور ایڈیشن میکملن کمپنی کی طرف سے شائع ہوا۔ نوبل پرائز کی اطلاع۔ کلکتہ یونیورسٹی کی طرف سے ڈی۔ لٹ کی اعزازی ڈگری کی پیش کشی ''باغبان''، ''ہلال'' اور ''چترا'' کی میکمیلن کمپنی کی طرف سے اشاعت۔

۱۹۱۴ء — ۱ جنوری کو کلکتہ کے گورنمنٹ ہاؤس میں بنگال کے گورنر لارڈ کارمائیکل نے شاعر کو ''نوبل پرائز'' پیش کیا۔ پیرسن، اینڈریوز اور نند لال بوس کی شانتی نکیتن میں آمد۔ رام گڈھ، آگرہ، دارجلنگ اور الہ آباد کا سفر۔ نظم ''شاہجہاں'' اور کتاب ''تاریک کمرے کا بادشاہ'' کی تصنیف۔ میکملن کمپنی طرف سے کتاب ''ڈاک گھر'' اور ''سادھنا'' کی اشاعت۔

۱۹۱۵ء — خطاب ''نائٹ ہڈ'' کی پیش کشی۔ کئی مضامین اور نظموں کے انگریزی میں تراجم شائع ہوئے۔

۱۹۱۶ء — چوتھا سفر. جاپان، رنگون، ٹوکیو اور امریکہ میں قیام اور سیاسی تعلیمی اور ادبی. موضوعات پر تقاریر میکملن کمپنی کی طرف سے افسانوں کے انگریزی مجموعوں کی اشاعت. ''کبیا گرناتھ ولی'' انڈین پبلشنگ ہاؤس کی طرف سے دس جلدوں میں چھپی.

۱۹۱۷ء — براہ ھونولولو (ھوائی) واپسی میکملن کی طرف سے شاعر کی خود نوشت، قربانی اور دوسرے ڈراموں کے مجموعوں کی اشاعت. کانگریس کے جلسہ میں نظم خوانی.

۱۹۱۸ء — عمارت وشوا بھارتی کا سنگ بنیاد رکھا. ای۔ ایس مانٹگو، وزیر ھند سے ملاقات. مادری زبان کو ذریعہ تعلیم بنانے کی تحریک سے وابستگی اور تجاویز کی پیش کشی. حکومت کی تعلیمی پالیسی کے خلاف ھجویہ نظموں کی تصنیف. مدھوری لتا کا انتقال. کتابوں کی اشاعت.

۱۹۱۹ء — بنگلور، میسور، مدراس، اور شیلانگ و سلہٹ کا سفر. ۱۳ اپریل کے جلیا نوالہ باغ کے حادثہ سے متاثر ھوکر ۳۰ مئی کو خطاب ''نائٹ ھڈ'' کی احتجاجاً واپسی. امپائر تھیٹر کلکتہ میں تعلیم پر پہلی دفعہ انگریزی میں لیکچر. ''شانتی نکیتن پتری'' کا اجرا. ڈرامہ ''سارا دوت ساب'' کی پیش کشی.

۱۹۲۰ء — پانچواں سفر یورپ اور احمد نگر، بھاونگر، بڑودہ، سورت اور احمد آباد کی یاترا. فرانس میں برگسان، سلوین لیوی سے ملاقاتیں. ھالینڈ، ھیگ اور لیڈن یونیورسٹی میں تقریریں. بروسلز میں بلجیم کے شاہ سے ملاقات. بروکلیں اکیڈیمی امریکہ میں ''مشرق مغرب کا ملاپ'' اور نیویارک میں ''شاعر کا مذھب'' کے زیر عنوان تقاریر.

۱۹۲۱ء — براہ انگلستان پیرس میں آمد. رومین رولاں سے ملاقات. اسٹرا برگ یونیورسٹی، جنیوا، زیورچ، ھیمبورگ، کوپن ھیگن کی جامعات میں تقریریں، سفر سویڈن، شاہ سویڈن سے ملاقات، برلن اور میونخ میں تقاریر. براہ ویانا و پراگ آمد بمبئی و روانگی

موسیقی کے جشن بر شگال کا انعقاد وشوا بھارتی کا افتتاح اور شاعر کا اپنی تمام ملکیت مشمولہ زمینات ، عمارت ، کتب خانہ کا وشوا بھارتی کو عطیہ ، گاندھی جی ، پیرسن اور ایل ایمہرسٹ اور لیوی سے شانتی نکیتن میں ملاقاتیں ۔ ڈرامہ '' آبشار '' کی تصنیف اور میکملن کمپنی کی طرف سے '' مفرور '' اور '' بنگال کی جھلکیاں '' کی اشاعت ۔

۱۹۲۲ء — سری نکیتن میں مدرسہ دیہات سدھار کا افتتاح ۔ جنوبی ہندوستان کا دورہ ۔ میکملن کمپنی کی طرف سے '' تعمیری اتحاد '' کی اشاعت ۔

۱۹۲۳ء — وشوا بھارتی کے چندہ کے لئے حیدرآباد ، کاٹھیاواڑ اور سندھ کا دورہ ۔ سہ ماہی '' وشوا بھارتی '' کی ادارت ۔

۱۹۲۴ء — چین اور امریکہ کا سفر ۔

۱۹۲۵ء — براہ امریکہ اور جنیوا ، وینس اور میلان میں موسیقی پر لکچر اور بیماری کی حالت میں واپسی ہندوستان ۔ چیتندر ناتھ اور سی . آر . داس کا انتقال . لارڈلٹن اور اٹلی کے پروفیسر کارلو فارمیچی سے ملاقات اور پہلی فلوسافیکل کانگریس کے جلسے کی صدارت ۔

۱۹۲۶ء — فنون لطیفہ کے فلسفہ پر ڈھاکہ یونیورسٹی میں تقریر ۔ مشرقی بنگال کی سیاحت ۔ کل ہند موسیقی کانفرنس لکھنؤ میں شرکت ۔ شانتی نکیتن ۔ کلکتہ یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ سے خطاب ۔ شانتی نکیتن میں ابھیا آشرم کے میلہ کے صد سالہ جشن کی صدارت ۔ سفر اٹلی ، مسولینی سے ملاقات ۔ گورنر روم اور برطانوی سفیر کی طرف سے ترتیب دئے گئے ضیافتوں میں شرکت ۔ اطالوی زبان میں '' چترا '' کی پیش کشی ۔ فلارنس میں رومین رولان سے ملاقات ۔ براہ ویانا ناروے میں آمد اور شاہ سے ملاقات ۔ صوفیہ ، بخارسٹ ، بلغراد ، پراگ ، ایتھنز اور قاہرہ سے دسمبر میں شانتی نکیتن کو واپسی ۔

۱۹۲۷ء — نواں سفر ۔ شیلانگ ، سنگاپور ، سیام اور بنکاک میں ورود ۔ رقصی ڈرامہ '' نٹا راجہ '' کی تصنیف اور میکملن کمپنی کی طرف سے '' فائر فلائز '' اور '' دوست کے نام خطوط '' کی اشاعت ۔

۱۹۲۸ء — پانڈی چری میں آربندوگھوش سے ملاقات .

۱۹۲۹ء — دسواں سفر. ٹوکیو، ہارورڈ اور کولمبیا کی جامعات میں تقاریر کرنے کے بعد براہ لاس انجلس و جاپان، انڈو چائنا سے ہوتے ہوئے آمد کلکتہ .

۱۹۳۰ء — گیارھواں سفر ۔ مسوری کی طرف رجحان زیادہ رہا. بڑودہ، کولمبو اور مارسیلز سے چیکوسلواکیہ میں آمد اور صدر ماسیارک سے ملاقات . لندن اور برمنگھم میں ،، تہذیب اور اس کے ارتقا ،، پر تقاریر . برلن میں منعقدہ شاعر کی تصویروں کی نمائش میں شرکت . ڈریسڈن اور میونچ سے ڈنمارک میں آمد اور تصویروں کی نمائش کا انعقاد . روسی حکومت کی دعوت پر ۱۱ ستمبر کو ماسکو میں قیام . ممتاز ادیبوں اور حسن کاروں سے ملاقاتیں اور خیر مقدمی تقاریب سے خطاب ۔ ۲۵ دسمبر کو ماسکو سے برلن اور وہاں سے امریکہ میں آمد اور صدر ہوور سے ملاقات . بوسٹن اور نیویارک میں حسن کاری کی نمائشوں کا انعقاد اور ۲۲ دسمبر کو واپسی انگلستان .

۱۹۳۱ء — رقصی ڈرامہ ،، ناین ،، کی تصنیف. شانتی نکیتن میں شاعر کی سترویں سالگرہ. نواب بھوپال کی دعوت پر بھوپال میں ورود. سنسکرت کالج کی طرف سے ،، کو ملی سردا بھوما ،، کے خطاب سے سرفرازی .

۱۹۳۲ء — بارھواں سفر. شاہ ایران کی دعوت پر ایران میں ورود. رضاشاہ پہلوی کی مدح میں نظم کی تصنیف. شیراز، اصفہان اور طہران میں قیام . عراق کے شاہ فیصل سے ملاقات ۔ ذریعہ طیارہ آمد کلکتہ اور بردوہ جیل میں گاندھی جی سے ملاقات . پی . سی رائے کی سترویں سالگرہ کے جشن کی صدارت اور شانتی نکیتن میں مدن موہن مالویہ سے ملاقات .

۱۹۳۳ء — بمبئی اور آندھرا یونیورسٹی میں لکچر. براہ وجے نگر جامعہ عثمانیہ کی دعوت پر حیدرآباد میں آمد . خیرمقدمی تقاریب میں شرکت . سٹی کالج کے جلسہ میں سروجنی نائڈو کے ہمراہ شرکت، تقریر و نظم خوانی، واپسی کلکتہ .

۱۹۳۴ء — کولمبو میں ورود اور واپسی کلکتہ . مدراس منعقدہ مصوری کی نمائش میں شرکت . ناول ''چار فصلیں'' کی تصنیف .

۱۹۳۵ء — بنارس ہندو یونیورسٹی کی طرف سے ۸ فروری کو شاعر کی خدمت میں ڈی . لٹ کی اعزازی ڈگری کی پیش کشی . ۱۲ فروری کو طلبائے الہ آباد یونیورسٹی سے خطاب . ۱۳ کو پنجاب اسٹوڈنٹس کانفرنس لاہور میں خطبہ . ۲۸ فروری کو لکھنؤ یونیورسٹی میں لکچر . نومبر میں ملک الشعراء یان یون نگوچی نے شاعر سے ملاقات کی . ''بپ تھیکا'' نظم کی تصنیف و اشاعت .

۱۹۳۶ء — سینٹ ہال کلکتہ میں تعلیم کے موضوع پر تقریر . رقصی ڈرامہ ''چترن گاوا'' کی تصنیف . براہ الہ آباد، لاہور، دہلی میں آمد . گمنام شخص کی پیش کش ساٹھ ہزار روپیوں کا حصول . حیدرآباد ہاؤس دہلی میں شہزادی نیلوفر کی طرف سے دعوت لنچ میں شرکت اور روانگی میرٹھ . نظم ''پرسودہ'' کو غنائی ڈرامہ کا روپ دیا گیا .

۱۹۳۷ء — کلکتہ یونیورسٹی کے جلسہ تقسیم اسناد میں خطبہ . چندر نگر ادبی کانفرنس کی صدارت . آندھرا کی ''بھارتی تھر تھا'' کی طرف سے ''کوی سمراٹ'' کا خطاب دیا گیا . ۱۰ دسمبر، اچانک علالت . دوران صحت یابی ''پرانتک'' کی نظموں کی تخلیق و اشاعت .

۱۹۳۹ء — شاعر کے ہاتھوں وشوا بھارتی سمیلن کا افتتاح ہوا . پوری (اڑیسہ) میں آمد . اٹھترویں سالگرہ کا انعقاد . شاعر نے مدنا پور میں ودیاساگر میموریل کا افتتاح کیا .

۱۹۴۰ء — صنعتی نمائش بنکا پور کا افتتاح . آکسفورڈ یونیورسٹی کی طرف سے شانتی نکیتن میں منعقدہ ایک جلسہ میں شاعر کو ڈی . لٹ کی اعزازی ڈگری پیش کی گئی . ہزا کسلنسی تے شی تاؤ (چین) کا شانتی نکیتن میں خیرمقدم . لڑکپن کی خود نوشت سوانح ''روگ سجائے'' اور ''ارد گیا'' (مجموعہ ہائے نظم) ''چھیلے بالا'' اور طویل افسانوں کا مجموعہ ''تین سنگھی'' کی اشاعت ، صحت روبہ انحطاط رہی .

۱۹۴۱ء — ۱۴ اپریل کو ۸۰ ویں سالگرہ کا اہتمام اور شاعر کا خطبہ ۰ ۸ مئی کو سارے ہندوستان میں جشن سالگرہ کا انعقاد . مہا راجہ تری پور کی طرف سے ''بھارت بھاسکر،، کا خطاب ۰ سالگرہ کے موقع پر ''جنمادائن'' (نظم) اور ''گالیا سالیا'' (افسانے) کے علاوہ ''چھیلے بالا،، کا انگریزی ترجمہ شائع ہوا ۰ بیماری بڑھتی گئی اور ۷ اگست کو شاعر نے انتقال کیا .

—وقار خلیل

رابندرناتھ ٹیگور

....

۱۹۳۰ء کے بعد کے دس سال میں دو مرتبہ شدید بیماریوں کا شکار رہنے کے باوجود اس نے تین درجن کتابیں پیش کیں جو ابتدائی معلومات کی کتابوں، بچوں کے لئے اصلاحی نظموں، بچوں کے لئے تصویروں کی کتابوں اور کئی ایک ناچ ڈراموں پر مشتمل ہیں . ان کی علالت کے آخری دنوں میں نظموں کے دو مجموعے اور ایک کتاب ''بچپن کی سرگذشت'' شائع ہوئی ہے . یہ سب کچھ اس کی غیر معمولی ذہانت اور طباعی کی پیداوار نہیں ہے بلکہ اس کے وسیع مطالعہ کا نتیجہ ہے . وہ ایک متبحر عالم تھا . اس نے بنگلہ زبان، سنسکرت، پالی اور انگریزی ادبیات سے براہ راست استفادہ کرنے کے علاوہ دوسرے ملکوں کے ادبیات کے انگریزی ترجموں کا بھی خاصا مطالعہ کیا تھا . اس کے کتاب خانے میں ہر موضوع پر کتابیں تھیں . مثلاً

کاشتکاری ، لسانیات ، تاریخ ، طب ، فلکیات ، ارضیات ، کیمیا، حشریات، امداد باہمی، بنک کے اصول، ریشم کے کیڑوں کی پرورش، اندرونی آرائش، نقاشی، چرم سازی، کھاد، نیشکر، تیل اور برتن سازی، کپڑا بننے کی مشینوں، پینسل وغیرہ پر لگانے کا سنہری روغن سڑکوں پر چلنے والے انجن، دیہی معاشیات، پکوان، بدررو ، خطاطی، سڑک سازی، انکیو بیٹر ، یعنی مصنوعی حرارت سے پرندوں کے بچے نکالنے کے جراثیم پیدا کرنے اور انسان کے قبل از وقت پیدا ہونے والے بچوں کی پرورش کی مشین وغیرہ ، فنون کے متعلق عمدہ لٹریچر .

وہ ان کتابوں کا مطالعہ بیکاری کی خلیج کو پاٹنے یا وقت کاٹنے کے لئے نہیں کرتا تھا بلکہ وہ ان معلومات سے خاطر خواہ کلی استفادہ

بھی کرتا تھا . وہ جذبات کے سیلاب پر بہنے والوں میں نہیں تھا بلکہ
اس نے ایک سائنٹفک دل پایا تھا . سر جگدیش چندر بوس سے اس
کی دوستی رسمی نہیں بلکہ روحانی تھی . ملٹن نے اپنے دور میں جب کہ
علم کی سوتیں اس قدر ہمہ گیر اور وسعت پذیر نہیں تھیں ، کہا تھا کہ
''شاعر کو تمام علوم میں مہارت ہونی چاہئے'' ٹیگور اور ملٹن کا
نصب العین اس باب میں یکساں ہے . اگر ٹیگور ایک عظیم المرتبت
شاعر اور نثار کی حیثیت سے چار دانگ عالم میں روشناس نہ بھی ہوتا
تو وسیع مطالعے کے لئے دنیا بھر میں مشہور ہوتا .

....

....

بیرونی دنیا میں عام طور پر یہ باور کیا جاتا ہے کہ ''گیتان جلی''
کی نظموں سے پہلے ٹیگور نے اپنی کسی نظم کا خود انگریزی میں ترجمہ
نہیں کیا . یہ سراسر غلط ہے . اس کی مترجمہ نظمیں ''ماڈرن ریویو'' کی
۱۹۱۲ء کی فروری ، اپریل اور ستمبر کی اشاعتوں میں چھپ چکی ہیں .
انگریزی میں اس کے لکھنے کی ابتدا یوں ہوئی کہ ۱۹۱۱ء میں ''ماڈرن
ریویو'' کے ایڈیٹر نے اس کی بنگالی نظموں کو انگریزی میں منتقل کرنے
کا مشورہ دیا جس پر ٹیگور نے اپنی دو نظمیں جن کا انگریزی ترجمہ
آنجہانی لوکندر ناتھ پالٹ آئی . سی. ایس. نے کیا تھا اور جو ''ماڈرن
ریویو'' ۱۹۱۱ء کے مئی اور دسمبر کے نمبروں میں چھپا ہے بھیج کر
ٹال دیا اور جب اس سے خود انگریزی میں ترجمہ کرنے کی خواہش کی
گئی تو اس نے جواب میں لکھا ''میں کس حیلہ سے اس کو واپس بلاؤں
جس کو میں نے روتا چھوڑا ہے''۔ یہ مدرسہ کی تعلیم اور اس کی لازمی
مشقوں کی طرف مزاحیہ اشارہ ہے . لیکن انگریزی شاعری کی دیوی اور
فطنت اس کو آسانی سے چھوڑنے والے نہ تھے. اس کے کچھ عرصہ بعد
ٹیگور نے انگریزی میں اپنی بنگالی نظموں کو منتقل کرنا شروع کیا .

وہ انگریزی لکھنے میں ہمیشہ جھجھکتا تھا۔ اگرچہ اوائل عمر میں پروفیسر ہنری مارلے جیسا انگریزی کا نقاد، اس کے انگریز ساتھیوں کے سامنے، ٹیگور کے اسلوب تحریر کی بڑی ستائش کرتا تھا۔ ٹیگور نے "انگریز اور ہندوستان" کے عنوان پر ایک مقالہ لکھا جس میں اس نے سخت نکتہ‌چینیاں کی تھیں۔ ہنری مارلے نے تمام طلباء کو ان کے نوٹ کرنے کا مشورہ دیا۔

ٹیگور محنت کا سخت عادی تھا۔ وہ بڑی رات گئے تک کام کرتا اور پھر گجر دم اٹھکر عبادت کے بعد روزمرہ کے کام میں مصروف ہوجاتا تھا۔ دن اور رات کے چند گھنٹے اس کے آرام اور کھانے پینے کے لئے مخصوص تھے اور باقی اوقات کام کے لئے۔ دوپہر میں بھی وہ قیلولہ تک نہ کرتا تھا۔ حالانکہ شانتی‌نکیتن کی گرمی ناقابل برداشت ہے۔

راما نند چٹرجی

سید مہدی حسین

میں ایک شاعر ہوں

اپنی اصلی سرشت کو پہچاننا، یہ جاننا کہ در حقیقت کوئی کیا ہے آسان کام نہیں ۔ اگر خدا نے اپنی رحمت سے مجھے ستر برس کی طویل عمر نہ دی ہوتی تو شاید میں اس علم سے محروم رہتا ۔ اپنی اس طویل زندگی میں مختلف النوع سرگرمیوں کی طرف راغب ہوا لیکن ان میں سے کسی میں بھی میرے داخلی مزاج کا اظہار نہیں ہوا ۔ اب جب میری زندگی کا سفر خاتمے کے قریب ہے میں اپنے رجحان طبع کو نسبتاً واضح طور پر دیکھ سکتا ہوں ۔ اپنے ماضی پر نگاہ ڈالتے ہوئے مجھے یقینی طور پر صرف اسی قدر محسوس ہوتا ہے کہ میں ایک شاعر ہوں ۔

مجھے نہ مذہبی پیشوا ہونے کا دعویٰ ہے نہ ہادی قوم ہونے کا ۔ میں معلم اخلاق ہوں نہ مبلغ مذہب ۔ میں نے ایک مرتبہ لکھا تھا کہ میں نئے بنگال کا رہنما ہونے کا آرزومند نہیں ۔ یہ بات میں نے پورے خلوص سے کہی تھی ۔ جو لوگ صداقت کی تابانی کے پیغامبر ہیں جو دھرتی ، پانی اور ہوا کی تطہیر کرتے ہیں اور قوموں کی ، امن کی راہ کی طرف رہنمائی کرتے ہیں میں ان کا مداح تو ہوں لیکن میں جانتا ہوں کہ ان کی ہم نشینی میرے بس کی بات نہیں ۔ لیکن جب صداقت کی یہ تابانی مسرت کی تابانی بن کر بے شمار سمتوں میں پھیل جاتی ہے اور اس کا شکوہ ایک ہمہ گیر تحریک میں منعکس ہوتا ہے تو یہ صداقت کی تابانی بہ طور شاعر میرے موقف سے ہم آہنگ ہو جاتی ہے ۔ میں مختلف طریقوں سے ظاہر ہونے والی آواز ہوں ۔ میں اس لا محدود کی آواز ہوں جس کے بے شمار پہلو ہیں اور یہ پہلو مختلف النوع ہیں ۔ میں اس غیر مختتم بے نام مسرت اور آنند کی آواز ہوں جو تمام چیزوں میں طاری و ساری ہے ۔

وہ مسرت جو مرکز تخلیق ہے ، میری آرزوئے دلی ہے . میری زندگی کا مقصد وحید یہی رہا ہے کہ اسے اپنے دل میں جذب کروں اور ہر ممکن طریقے سے اس کا اظہار کروں . میں اس کا مدعی نہیں کہ لوگوں کو ان کی زندگی کی منزل تک پہنچانا میرا کام ہے . میرے لئے سفر کی مسرت ہی کافی ہے . بعض لوگوں نے مجھے مابعد الطبیعیاتی کہا ہے اور بعض نے تو اسکول ماسٹر کا لقب بھی مجھ پر چسپاں کردیا ہے جو کچھ زیادہ پسندیدہ نہیں . سچ یہ ہے کہ مجھے کھیل کود سے اتنی محبت تھی کہ میں مدرسے سے اکثر بھاگ جاتا تھا . ایسا آدمی مدرسی کیا کرے گا . مجھے اپنا آغاز سفر اب تک یاد ہے جب ایک بچے نے اوشا کے دھندلکے میں زندگی کی راہ پر قدم بڑھایا تھا . جب روشنی ابہام کے پردے کو چاک کرنے کی جدوجہد میں مصروف تھی . نور و ظلمت کی اس کشمکش سے جو وجد آفریں حیرت مجھ پر طاری ہوئی تھی وہ کبھی ختم نہیں ہوئی. اس ہاتھ نہ آنے والے اسرار پر بچے کے دل کا کنول جس طرح مضطرب ہو اٹھا تھا وہ مجھے آج تک یاد ہے . یہ اضطراب مجھ میں ہمیشہ رہا ہے اور اس نے مجھے جہاں گرد بنا دیا، ایسا جہاں گرد جس کا سفر کبھی ختم نہیں ہوگا .

اور اب جب کہ میری عمر ستر برس کی ہوگئی ہے لوگ مجھ پر بے پروائی اور غیر سنجیدگی کا الزام لگا رہے ہیں اور میرے رویئے سے ان کے جذبۂ متانت کو تکلیف پہنچتی ہے . میں ایسے کاموں پر اپنا وقت ضایع کرنا نہیں چاہتا جو میرے بس کے نہیں ہیں . میں اپنی ستر سال کی زندگی کے مد و جزر میں اس نتیجے پر پہنچ گیا ہوں کہ میں ایک ایسی صداقت کا ساتھی ہوں جو ہمیشہ بدلتی رہتی ہے . میں یہ نہیں جانتا کہ میں نے کچھ حاصل کیا بھی ہے یا نہیں . میں یہ بھی نہیں جانتا کہ اپنے پیچھے کوئی قابل قدر چیز چھوڑوں گا بھی یا نہیں . میں دوام کا آرزو مند نہیں . بچہ کھیلتا ہے تو اس کا مقصد حصول نہیں ہوتا . اپنے کھیل کے لئے جو گھر وہ بناتا ہے اسے خود ہی ڈھا بھی دیتا ہے یا اسے ڈھے جانے کے لئے سر راہ چھوڑ کر الگ ہو جاتا ہے .

ہم شام کو اپنے آم کے باغ میں جو گھروندا بناتے تھے اسے صبح ہونے تک تند ہوا ڈھا دیتی تھی ۔ اگلی صبح ہمیں نیا گھروندا بنانا پڑتا تھا ۔ اگر میں نے دنیا کے کھیل گھر کے لئے کچھ کھلونے بنائے ہیں تو انہیں محفوظ رکھنے یا دوام بخشنے کا میں بالکل آرزو مند نہیں ۔ اگر میں ان وقتی کھلونوں میں روح ڈال سکا ہوں اور ان سے کچھ دلوں میں مسرت کی لہر دوڑی ہے تو میں اسی سے مطمئن ہوں ۔ اس سے زیادہ کی مجھے کوئی آرزو نہیں ۔

جو لوگ مجھے منبر پر بٹھانا چاہتے ہیں ان سے میری یہی گذارش ہے کہ مجھے نیچے دھرتی پر بیٹھنے کے لئے ہی تخلیق کیا گیا ہے ۔ وہ جو کھیل کے آداب مقرر کرتا ہے اس نے مجھے بالغانہ اور مدبرانہ کردار ادا کرنے کے فرض سے سبکدوش کر دیا ہے ۔ میں اپنی زندگی کا رس اسی خاک، دھرتی اور گھاس پر نچوڑنا چاہتا ہوں ۔ وہ لوگ جو دھرتی کی گود کے قریب ہیں جو اسی دھرتی پر پہلا قدم اٹھاتے ہیں اور اسی کی گود میں چلے جاتے ہیں ۔ میں ان سب کا دوست ہوں ۔ میں شاعر ہوں ۔ میں کوی ہوں ۔

رابندر ناتھ ٹیگور

سسر کمار گھوش

گوپال متل

ٹیگور کی شخصیت

دسمبر ۱۹۳۶ء میں پہلی مرتبہ میں نے ٹیگور کو دیکھا . ان کے نحیف ولاغر جسم میں بچپن کی شوخی و شگفتگی پنہاں نظر آئی . ان کی لمبی لمبی نورانی زلفیں، تارسیمیں کی طرح شانوں پر جھلملا رہی تھیں پروقار چہرا اور مےناب سے لبریز ساغر جیسے رخسار . اس جلال و جمال میں کچھ ایسا پرسکون کیف بھی شامل تھا جس نے ان کی شخصیت میں بلا کی دلکشی پیدا کر رکھی تھی آواز نہایت باریک اور سریلی تھی جیسے کسی نے ستار کے تاروں کو سروں میں ملا رکھا ہو. ان کی عینک کا فریم سنہرا تھا . اس میں کمانیاں نہیں تھیں اور اس کے ایک طرف ایک ریشمین سیاہ ڈوری لٹک رہی تھی جو رخ روشن پر نہایت ہی بھلی معلوم ہوتی تھی ٹخنوں تک سنہرا چغا زیب تن تھا اور بھورے رنگ کے سلیپرزینت پا بنے ہوئے تھے. سیاہ کار سے جب وہ اترے تو ایک طرف سے شری انیل چندا اور دوسری طرف سے شری نند لال بوس ان کو سہارا دیتے ہوئے کلابھون میوزیم کی سیڑھیوں پر چڑھے . اس وقت ایسا لگا جیسے ایک عقاب اپنے دو بچوں کو بازوؤں میں سمیٹے محوخرام ہو . میوزیم کے برآمدے میں پہیوں والی ایک کرسی موجود تھی . ان کو اس میں بٹھایا گیا اور شری انیل چندا نے آہستہ آہستہ اسے ڈھکیلنا شروع کیا . بائیں طرف نندو بابو تھے جو کرسی کے ساتھ ساتھ گرو دیو سے دیواروں پر آویزاں تصاویر کا تعارف کراتے چل رہے تھے. گرو دیو ہر تصویر کو بغور دیکھتے اور کچھ فرماتے . جس دیوار کے ساتھ وہ چل رہے تھے اس کے مقابل دیوار سے لگے ہوئے کلابھون کے چند طالب علم کھڑے تھے . ایک تصویر دیکھ کر وہ بے ساختہ جھوم گئے . ان کی روح کے تار اس مضراب نے ہلا دیئے تھے فرمانے لگے :

''افسوس اب وقت ھی نہ رہا۔ مجھے بہت کچھ ابھی کرنا اور سیکھنا تھا۔ بینائی جواب دے چکی ھے۔ ھاتھ بے کار ہوگئے۔ انگلیوں میں اب وہ پہلی سی نزاکت کہاں سے لاؤں۔ جسم میں وہ لچک نہ رہی۔ سب کچھ کھو بیٹھا۔ کاش کچھ وقت اور مل جاتا تو کچھ اور کرلیتا۔''
جسے ساری قوم گرودیو کہتی ھے اس کا طالب علمانہ ذوق وشوق ملاحظہ کیجئے۔ کتنے درد بھرے، حکیمانہ اور پرخلوص تھے وہ بول۔ مایوسی کے پیکر میں حوصلہ مندی کا بول لئے ہوئے۔

—ابوالکلام

مرتے چائی نا آنی شندر بھونے

میں اس خوبصورت دنیا میں مرنا نہیں چاھتا

ان آنکھوں سے میں نے بہت کچھ
دیکھا ھے ۔ لیکن یہ کبھی تھکی
نہیں ۔ بلکہ ان کی پیاس تو
بڑھتی ھی چلی جا رھی ھے ۔

۱

بہار آفرینا ! ترے فیض نے
کہ ہے گلشن آرائے کون و مکاں
عطا کر کے معمورۂ آرزو
دل مختصر کو کیا بے کراں !

مرے اس سبوئے سفالینہ کو
تہی کر کے بھرتا ہے تو بار بار
نئی زندگی کی مئے سرخ سے
ہے پت جھڑ کے پردے میں گویا بہار !

میں اک عود نالندہ ہوں اور تو
مغنی کہ آتش نوا جس کا نام
مدام اک نیا زمزمہ چھیڑتا
خیابان و وادی میں محو خرام !

ترے لمس زندہ کی تاثیر سے
مرا دل ہے سرمست راز و نیاز
دریغا کہ لفظوں میں ڈھلتا نہیں
مری روح کا سرمدی سوز و ساز !

ازل سے زمانہ ہے اس کا گواہ
تو دریا نوال اور میں کوزہ دست
تری رحمتیں مادر مہرباں
مری خواہشیں طفلک شیر مست!

۲

تو دیتا ہے جب حکم نغمہ سرائی
تو دل کثرت شوق و فرط طرب سے
سماتا نہیں پہلوئے ناتواں میں
کہ جیسے اسے مل گئی ہو خدائی!

میں حیرت فروشانہ و والہانہ
کن انکھیوں سے تیری طرف دیکھتا ہوں
خوشی سے امنڈتے ہیں آنکھوں میں آنسو
ہوا غنچہ خنداں، برآئی تمنا!

طبیعت کی بے ربطی و خامکاری
توازن کے سانچے میں ڈھلتی ہے ایسے

کہ جیسے مس خام بنتا ہے کندن
خرِ نامشخص ۔ غزال تتاری !

دل زار سرشار ہوتا ہے ایسے
تشکر کے اس عالم کیف و کم میں
پر و بال کھولے ہوئے کوئی طائر
سمندر پہ کرتا ہو پرواز جیسے !

تجھے بے گماں بخشتی ہے مسرت
سجل راگنی سے مری آشنائی
اسی کے طفیل اوج حاصل ہوا ہے
اسی کا عطیہ یہ توقیر و عزت !

قدمگاہ قدسی کو چھوتا ہے نغمہ
فلک سیر بال و پر زیر و بم سے
تقرب ہے یہ راگ رس کی بدولت
وگرنہ کہاں وصل خورشید و ذرہ !

شراب ترنم سے مدھوش ہوکر
پکارا میں مولا کو: اے یار جانی !

یہ سحر مزامیر — الحمد للہ!
یہ نغمے کی تاثیر — اللہ اکبر!

۳

یہ ترا شعلہ بر انداز سرود
اے آقا!
کیسے ہوتا ہے شبستان عدم سے پیدا
مجھے معلوم نہیں
آئی حصے میں مرے خامشی و حیرانی

بقعۂ نور — زمیں
تیرے نغموں کی ضیا پاشی سے
گرم جولاں سر افلاک بریں
نفس زندگی افروز سرود شیریں!

تیرے آھنگ کا نوریں جھرنا
چیر کر سنگ گراں کا سینہ
صورت سیل، سبک جولاں ہے!

میں بھی گاؤں ترے ساتھ اے آقا!
مگر آواز کہاں سے لاؤں؟
دل میں حسرت ہے کہ بولوں میں بھی
محو دستان و نوا ہو جاؤں!

کیسے ڈھلتا ہے تکلم، لے میں
کیسے بنتا ہے سخن، موسیقی؟
ناطقہ سر بگریباں، دلگیر
نغمۂ شوق بجز آہ و فغاں کچھ بھی نہیں!

فرط لکنت سے ہیں لب بے تقریر
شمع خانہ نہ چراغ محفل!
تیرے نغموں کے خم و پیچ میں دل
رہ گیا ششدر و مبہوت و اسیر
اے آقا!

۴

میں کوشش کروں گا ملوث نہ ہو
مرا دامن آلائش دھر سے

کہ آسودۂ لذت اے جان جاں
مرا رویاں رویاں ، مرا پور پور
ہے تیری حیات آفریں لہر سے !

ہمیشہ یہ کوشش رہے گی مری
کہ میرے خیالات و جذبات کے
زر شائگاں میں ملاوٹ نہ ہو
یہ اس واسطے اے شہ دوسرا
کہ ہے تو وہ آتشکدہ صدق کا
تجلی نے جس کی منور کیا
مرا ذہن فکر خدا داد سے !

ہمیشہ یہ کوشش رہے گی مری
کہ لوح دل طرفہ ایجاد سے
نقوش دژم محو کرتا رہوں
گل عشق تا کہ شگفتہ رہے
دل پاک ٹھہرا نشیمن ترا !

ہمیشہ یہ کوشش رہے گی مری
کہ اپنے عمل میں تجھے آشکار

میں کرتا رہوں پاک پروردگار!
که تیری هی قدرت نے بخشی مجھے
یه تاب تگاپو یه توفیق کار!

۵

تمنا تری هم نشینی کی هے
بس اک ساعت مختصر کے لئے
مجھے جس قدر کام درپیش هیں
میں کرلوں گا پورا انهیں بعد میں!

ترے روئے زیبا کو دیکھے بنا
مرے دل کو آرام و راحت کہاں؟
تگ و تاز کے بحر پر قہر میں
سفینه بھٹکتا هے نا شادماں!

گل ولاله کے احمریں شهر میں
نواسنج هیں شهد کی مکھیاں
بهار آئی میرے دریچے په آج
جلو میں لئے نوشخند و فغاں!

خلوص و خموشی کا ہے اقتضا
کہ تیری حضوری میں بار خدا!
بہ تحسین و تہلیل عمر رواں
کروں صرف یہ فرصت بے بہا !

٦

توڑ لے شاخ سے یہ ننھا پھول
اسے چن لے شتاب، دیر نہ کر !
مجھے ڈر ہے کہیں یہ آتش تر
بجھ نہ جائے ہوائے صرصر سے
یہ مہکتا گہر یہ خرمن زر
ہو نہ جائے بکھر کے، مرجھا کر
جزو گرد و غبار و خاکستر !

ہار میں چاہے تو پرونہ اسے
توڑلے پھر بھی اس کو ٹہنی سے
اپنے نرم و گداز ہاتھوں کے
لمس ہمدرد و حزن آگیں سے

تازگی بخش ، کر شگفتہ اسے !
علم ہونے سے پیشتر ڈر ہے
وقت ہدیہ گزر نہ جائے کہیں
تیرگی بال و پر نہ پھیلا دے
ڈوب جائے نہ قرص نور افشاں !

اس کی رنگت اگرچہ شوخ نہیں
اور مدھم ہے خوشبوئے نوشیں
اپنی خدمت کا کام لے اس سے

اور گلبن سے توڑ کر گلچیں
خرمن زر کی آبرو رکھ لے
دیکھ ساعت گزر نہ جائے کہیں !

۷

مرے نغمے نے زینت ترک کردی
مٹا اسباب و آرائش کا پندار
تکلف ناز بیجا ہے سراسر
سجاوٹ درد سر ہے زیور آزار

تری زیر لبی سرگوشیوں میں
خلل ڈالے گی بے ہنگام جھنکار
وصال ناز کے لمحات نازک ؟
اٹھائیں ماسوا کا کس طرح بار

اے استاد جہاں اے میر مطرب !
میں ساز شوق کا ٹوٹا ہوا تار
ترے دربار میں میری تعلی
ہے گویا ، ہیچ مقداری کا اقرار

ترے قدموں میں بیٹھا ہوں میں اکثر
سکھائے تونے مجھ کو فن کے اسرار
مثال نے تو میری زندگی کو
بنا کر صاف ستواں سادہ ہموار
بھر اس میں اپنی موسیقی کی لہریں
کر اس کو آشنائے رمز دلدار !

٨

وہ لڑکا جس کے کپڑوں میں
شہزادوں کی سی سج دھج ہے
اور حمائل اس کے گلے میں
مروارید کی مالا ہے
کھیل کی چاہت کھو دیتا ہے
لباس رکاوٹ بن جاتا ہے
اس ڈر سے کہ شہانا جوڑا
کہیں غبار آلودہ ہو کر
چمک دمک نہ کھو بیٹھے
وہ دکھلاوے کا دلدادہ
چمک دمک پر مٹنے والے
ہنس مکھ دنیا والوں سے
کھلنڈرے لڑکوں بالوں سے
قطع تعلق کر لیتا ہے
اپنے خول میں گھس جاتا ہے
ماں! گر یہ زرکش کپڑے
جیتی جاگتی دھرتی سے

مست مہکتی مٹی سے
بیزار و بد ظن کر کے
چھین لیتے ہیں ایتھر سے
ذوق نظارہ ، شوق تماشا
اور انسانوں کے ریلے کی
دنیا کے میلے ٹھیلے کی
بلندی پستی سرمستی سے
بے حس و سرد بنا دیتے ہیں
تو ان بھڑکیلے کپڑوں کا
دربر کرنا اکارت ہے !

۹

ارے ناداں ! خود اپنے پر سواری کے جتن کرنا
ارے بھکیا ! صدا دینے کو اپنے ہی دوار آنا
یہ بار اس کے حوالے کر جسے تاب تحمل ہے
پلٹ کر پھر کبھی پیچھے نہ دیکھ افسوس و حسرت سے
کہ رم کرتی ہے تمکیں انفعال و پند و عبرت سے !

تری خواهش بجھا دیتی ہے فوراً شمع مومی کو
پیام مرگ ہے موج نفس اس کی تجلی کو
یہ ہے نا پاک اپنے تحفے اس کے ھاتھ سے مت لے
مقدس عشق کا تحفہ ھی بس لینے کے قابل ہے!

۱۰

یہ ہے تیرا پائداں!
کرتے ھیں تیرے چرن لیکن نواس
اے خدائے ذوالجلال!
اس دیار درد مندی میں جہاں
ھیں پریشاں روزگار
خاکسار و بے نوا و خستہ حال!

باوجود کوشش بسیار، میں
تیرے سجدے کو ترستا ھی رہا
مل سکا مجھ کو نہ تیرا آستاں
وہ مقام صاف و پاکیزہ، جہاں

خاکسار و کمترین و بے نوا کے درمیاں
رقص کرتے ہیں ترے نوری قدم!

اس جگہ کبر و بطر کو بار کیا
ہے خراماں ہیئت مسکین و عاجز میں جہاں
تو غریب و کمترین و بے نوا کے درمیاں!

میرے دل کو راہ ملتی ہے کہاں
اس جہان فقر و فاقہ کی جہاں
رنجبر فعلہ میں تو ہے شادماں!

۱۱

چھوڑ یہ ذکر و مناجات و شمار سبحہ!
کس کی کرتا ہے عبادت ، مورکھ!
روزن و غرفہ و در بند کئے
سر بہ زانو ، کنف معبد کی
گھور تاریکی و ویرانی میں؟
آنکھ تو کھول ، نظر تو دوڑا
کہیں موجود نہیں

پوجتا ہے تو جسے وہ معبود !

اس جگہ ہے وہ ، جہاں
سخت مٹی کو نلوتا ہے کسان
سنگ خارا کو بناتا ہے ملیدہ ، مزدور !

لو چلے ، دھوپ پڑے ، مینہ برسے
نظر آتا ہے وہ ان کے ہمراہ !
پھینک احرام و عبا
زہد و سالوس و مشیخت کی قبا
اور مٹی میں اتر اس کی طرح !

طالب راہ نجات!
کچھ پتا ہے تجھے نروان کہاں ملتا ہے ؟
دیکھ آقا نے خوشی سے از خود
فرض تخلیق کا لے رکھا ہے اپنے ذمے
ہم سے ہر آن وہ وابستہ ہے !

چھوڑ یہ ورد ، وظیفے ، پاگل !
اپنے حجرے سے نکل

دھوپ بتی کو بجھا
اور پھولوں کو مسل
کیا برا ہے ترا ملبوس اگر
ملگجا ہو شکن آلودہ ہو
اس کے ہمراہ کھڑا ہو جا کر
عرق آلود جبیں سے سر میدان عمل
تری امید برآئے ، تری محنت ہو سپھل !

۱۲

ہے سفر میرا طویل
دور ہے منزل جاں ، راستہ دشوار گزار
صبحدم پہلی کرن کے سفری رتھ پہ سوار
جب گل سرخ بنا غنچۂ نیلوفر صبح
اور زر پوش ہوا جادۂ بیراہ کویر
میں ہوا عازم کوئے دلدار

راہ میں کوہ و بیاباں آئے
دشت و گلزار و خیاباں آئے

کہیں ویرانیٔ معمورۂ عالم دیکھی
اور سیار و ثوابت پہ کہیں پاؤں دھرے

فاصلہ جس کا زیادہ ہے، جو ہے پیچیدہ
تیرا نزدیک تریں رستہ ہے
سہل و سادہ جو بظاہر نظر آتی ہے نوا
سب سے بڑھ کر ہے کٹھن اس کی ریاضت، واللہ!

گھر کا ملنا نہیں آسان، مسافر در در
دستکیں دے کے لگاتا ہے صدا
ٹھوکریں کھاتا ہے تب جا کے کہیں
اپنا دروازہ نظر آتا ہے
جب تک آفاق میں چندے نہ رہو سرگشتہ
ہاتھ آتا نہیں زنہار پتہ
کاخ جانانہ و طاق دل کا!

دور و نزدیک بھٹکتی رہیں نظریں میری
بند پلکوں کے جھروکوں کو کیا تو جانا
کہ ہے تو حاضر و موجود یہاں!

'اف کہاں ہو' کی پکار، استفسار
ڈھل کے اشکوں میں ندی نالوں کے
پھیل جاتی ہے زمانے بھر میں
بن کے سیلاب یقیں 'میں ہوں' کا !

۱۳

نا سرائیدہ اب تک ہیں وہ زمزمے
جن کو گانے کی خاطر میں آیا یہاں
دن موے کٹ گئے جوڑتے کھولتے
اپنے سازوں کے تاروں کو وا حسرتا !
شبھ کہیں جس کو آیا نہیں وہ سمے
اور الفاظ بھی ٹھیک بیٹھے نہیں
ہے اگر دل میں کچھ تو غم آرزو
ہونٹ کھولے نہیں ہیں کلی نے ابھی
صرف بھرتی ہے موج صبا سسکیاں !

میں نے آواز اس کی سنی اور نا
صورت دلربا کا نظارہ کیا
صرف آہٹ سنی مخملیں پاؤں کی

گھر کے آگے سے جاتی ہوئی راہ میں
صبح سے شام تک میں بناتا رہا
اس کے شایان شاں بیٹھنے کی جگہ
لیکن اب تک ہے بے نور میرا دیا
اس سے کیسے کہوں میرے گھر آئیے
بے تکلف قدم رنجہ فرمائیے
کٹ رہی ہے اسی آس میں زندگی
رام جانے کب آئے ملن کی گھڑی !

۱۴

ہجوم تمنا کے آشوب نے
بنایا ہے مجھ کو سراپا فغاں
ہمیشہ مگر اے شہ دو جہاں !
مرے شوق مفرط کی تکمیل سے
پس و پیش کر کے ترے فیض نے
اس آتشکدے کو نہ بجھنے دیا
مرے دل کو عصیان و امید سے
منزہ رکھا اور منور کیا !

بناتا ہے دائم تو اے ذوالجلال !
مجھے اہل اپنے عطیات کا
بظاہر جو سادہ ، بباطن عظیم
عطا جن کو کرتی ہے بے التجا
تری رحمت لا یزال و عمیم ۔
یہ چرخ بریں اور یہ روشنی
یہ جسم و حیات و مذاق سلیم
اور اس طرح محفوظ رکھتی ہے وہ
مجھے خواہش نا روا و سقیم
کے اندوہ و اندیشہ و رنج سے !
کبھی بیٹھ رہتا ہوں تھک کر نڈھال
کبھی ہو کے بیدار کرتا ہوں سعی
کہ سن گن ملے منزل شوق کی
پر اے خود نگر شہر یار جمال !
ہمیشہ تو رہتا ہے زیر نقاب
نگاہیں تجھے ڈھونڈتی ہیں سدا
مگر تیرا ملنا خیال و محال !
بناتا ہے شایان شان قبول

مجھے دن بدن اے خداوند راد
تو اس گاہ و بیگاہ انکار سے
میں کیا ایک بندہ ظلوم و جہول
بچاتا ہے پیہم جسے بال بال
تو کمزور و نا قابل اعتماد
تمنا کے پیچاک زرتار سے!

۱۵

میں آیا ہوں نغمہ گری کے لئے
تری بارگہ میں اگرچہ جگہ
ملی مجھ کو اک کنج کم تاب میں!

میں ہوں تیری دنیا میں بیکار محض
مری رائیگاں زندگی کا یہاں
نہ مقصد نہ مصرف نہ منشا کوئی
مگر یہ کہ رکھوں اسے رات دن
کسی طرح مصروف رامشگری
نہ ہو اس کا مطلب اگرچہ کوئی!

ھو خوابوں میں گم جب تری کائنات
مسلط ھو دیوار و در پر سکوت
تو اس وقت دے مجھ کو اذن غنا
کہ ھے تیرے مستوں کو پچھلے پہر

نوید سکوں بانسری کی صدا !
سحر جھانکے جب غرفۂ چرخ سے
کف صندلیں سے نگار صبا
بجانے لگے بربط مشکسا
حضوری کا فرمان دے کر مجھے
مرا حوصلہ ، میری عزت بڑھا !

۱۶

یہ دنیا بھی ھے ایک میلہ جہاں
مجھے اذن گلگشت بخشا گیا
مری آنکھ محو تماشا رھی
مرے گوش لذت کش نغمگی
یہ خدمت مجھے اس میں سونپی گئی

کہ لوگوں کی دلبستگی کے لئے
میں گاتا رہوں دف بجاتا رہوں
تماشائی ہوں یا نہ ہوں ملتفت
میں نغمات شیریں سناتا رہوں !

تو شاہد ہے میں نے بطیب دلی
جہاں تک کہ ممکن تھا مقدور بھر
یہ خدمت نوازن کی انجام دی
ابھی کیا وہ ہنگام آیا نہیں
کہ تو از رہ دلنوازی مجھے
مشرف کرے اپنے دیدار سے ؟
کروں تاکہ لب بستہ عرض نیاز
میں تیرے سرا پردۂ ناز میں !

۱۷

دلربا کا ہے انتظار مجھے
سونپ دوں تاکہ جان و جسم اسے
اسی آشوب و آزمائش میں

ہوئی تاخیر و التوا اتنی
اے خداوند راتق و فاتق !
مجھ سے سرزد ہوئیں خطائیں بھی
جوق در جوق لوگ آتے ہیں
توڑے دستور ضابطے لے کر
تاکہ ظالم کریں مجھے زنجیر
ہوں دعا گو مجھے معاف رکھو
یہ فقیر حقیر پر تقصیر
اس لئے رہگذر پہ بیٹھا ہے
کہ ہے دلبر کا انتظار اسے
جسم و جاں تاکہ اس کو سونپ سکے !

مجھ پہ کستے ہیں لوگ آوازے
اور کہتے ہیں مست و آوارہ
مجھ کو خود اعتراف ہے اس کا
اپنے الزام میں وہ سچے ہیں !

دن ڈھلا ہاٹ ہو گیا سونا
چھا گیا کنج کنج سناٹا

آئے تھے جو پکارنے مجھ کو
ہر طرف تاک جھانک کر وہ تو
کب کے مایوس ہو کے لوٹ گئے!

دوست کا انتظار کرتا ہوں
تا کہ اے بخت غالب و میموں!
اس کے قدموں میں جاں نثار کروں!

۱۸

گھر رہے ہیں بادل، اور
بڑھ رہی ہے تیرگی
تونے جاناں! یوں تن تنہا مجھے رکھا ہے کیوں
اپنے دروازے پہ محو انتظار؟

دوپہر کو کوچہ و بازار میں
ہر کوئی مصروف ہوتا ہے بنج بیوپار میں
میں بھی ہوتا ہوں شریک ازدحام
ایسی رونق میں بھلا احساس تنہائی کہاں!

لیکن اے آرام جاں!
اس شب دیجور میں
ہے ترا ہی آستاں، دار الاماں!

تو بھی گر ڈھارس نہ دے
یونہی ٹھکرا دے مجھے
کیسے گزریں گی یہ لمبی منہ کی بھیگی ساعتیں؟

میری نظریں مضطرب
دور افتادہ افق کے ملگجے دھبوں کے پاس
دل مرا آسیمہ آوارہ پریشان و اداس
سسکیاں بھرتی ہوا کے بے نشاں جھونکوں کے ساتھ!

۱۹

تو اگر نہ بولے گا
اپنے دل کو بھر لوں گا
میں تری خموشی سے
اور راز داری سے

دوستی کا عہد اس سے
استوار کر لوں گا !

جس طرح شب تاباں
بھر کے مانگ میں افشاں
جھلملاتے تاروں کی
صبر و انکساری سے
سر جھکائے السائے
نور صبح فردا کا
انتظار کرتی ہے
میں بھی ایسے ہی آنکھیں
فرش راہ رکھوں گا !

بالیقیں سحر ہو گی
رات بیت جائے گی
ٹمٹما کے گل ہو گی
شمع بیدق سیمیں
چرخ لاجوردی سے
جوئبار زریں میں

تیری دلنشیں آواز
بوند بوند برسے گی

تیرے نازنیں الفاظ
تب مرے نیاز آگیں
خانگی پرندوں کے

مخملیں نشیمن سے
شہپر نوا لیں گے
اور تیری موسیقی
پھول بن کے مہکے گی
میرے راس و چپ پھیلے
کنج کنج جنگل میں !

۲۰

کنول کھلا جس روز افسوس
میں غافل انجان رہا
کیونکہ بھٹکتا پھرتا تھا

ذہن دور دیس کے
حیرت ناک جزیروں میں !

ٹوکری میری خالی تھی
اتنا ہوش نہ آیا، اسے
تازہ پھولوں سے بھر لوں
ماند ماند مات فضا
دل پہ حسرت کا پہرہ تھا
آخر سپنوں کا کہر چھٹا
باد جنوب میں مجھ کو
ایک بدیسی خوشبو کی
شیریں لہر کا احساس ہوا !

اس مبہم خوشبو نے دل میں
کامنا کی جوت جگائی
اور مجھے محسوس ہوا
گویا تکمیل کا جویا ہے
تابستاں کا گرم تنفس !

اس سمے مجھے معلوم نہ تھا
کہ یہ میرے اتنا قریب
ہے، میرا ہے سرتاپا
اور اس ساری شیرینی کا
منبع پہلو نشیں دل ہے!

۲۱

ناؤ اب ندی میں مجھ کو چھوڑ دینی چاہئیے
وقت ساحل پر گزرتا جارہا ہے رائیگاں
حیف مجھ پر! کیا کروں گا میں یہاں؟
جاچکی فصل بہار
گلکدوں میں سنسناتی ہے خزاں
ایک میں سینے سے لپٹائے ہوئے
باسی پھولوں، خشک مرجھائی ہوئی کلیوں کے ہار
محو رنج انتظار!

شور لہروں کا بڑھا
اور ساحل پر بکوئے سایہ دار
گر رہے ہیں زرد پتے زار زار!

کس خلا کو تک رہے ہو بادل اندوھگیں
دوسرے ساحل سے آتی صوت دل انگیز کی
اک پھریری سی ہوا کی لہر میں
دوستو! محسوس کیا ہوتی نہیں؟

۲۲

بھیگے ساون کے گہرے گھنے سایوں میں
چور قدموں، دبے پاؤں سے
شب نمط، بے صدا
تو بچا کر نظر پہرہ داروں کی ہے محو گشت!

صبح نے آج کرلی ہے آنکھ اپنی بند
کرکے پروا کی پیہم پکاروں سے غض بصر
تن گیا ہے سدا جاگتے نیلگوں چرخ پر
بادلے کا نقاب
بن میں بجتا نہیں
آبنوسی رباب

طائران نوا ریز چپ ہوگئے
در دریچے مقفل ، گلی کوچے سنسان ہیں
آرہی ہے فقط تیرے پیروں کی چاپ

اے حبیب ستارہ نظر
کر نہ مجھ سے حذر
میرے گھر کے کھلے ہیں کواڑ
خواب ساں مت گزر !

۲۳

اس سیہ طوفانی رات
کیا تو نکلا ہے محبت کے سفر پر میرے دوست!
آسماں محو فغاں
کوئی بے کس جس طرح نالہ کناں !

نیند کیوں آتی نہیں ؟
کھولتا ہوں ہر گھڑی اٹھ اٹھ کے دروازے کو میں
جھانکتا ہوں گھپ اندھیرے میں مگر

کچھ نہیں آتا نظر
تیرا رستہ ھے خدا جانے کہاں!

قیرگوں دریا کے آخر کونسے
بے نشاں دھندلے کنارے' سائیں سائیں
کرتے کس سنسان جنگل کی رہ پرخار سے
تیرگی کی چنبریں اطراف ناھموار سے
کررھا ھے قطع منزل روز و شب
اے انیس جاں! تو میرے پاس آنے کے لئے؟

۲۴

ڈوب گیا ھے گر سورج
طائر نغمہ ریز نہیں
اور ھوا نے بھی تھک کر
رین بسیرا ڈھونڈھ لیا
تو پھر اچھی طرح اڑھا دے
لحاف مجھے اندھیرے کا
نیند کے بالا پوش سے جیسے

زمیں کو تونے لپیٹ دیا
اور آہستہ سے شام ڈھلے
گرتے کنول کی پتی پتی
کوملتا سے بند کردی !

اس درماندہ رہرو سے
تھڑ گیا رستے ھی میں
آہ ! جس کا زاد راہ !
کپڑے جس کے پھٹے پرانے
خاک آلودہ
من نیرس
جسم نڈھال
دور کر افلاس و خجالت
حرص و دروغ، حزن و ملال
کھوٹ کپٹ چترائی
کام کرودھ لوبھ موہ ھنکار

شفیق رات کے پردے میں
بخش اسے حیات نو کا

آهنگ چمن آرائی
مثل لالۂ صحرائی!

۲۵

بے نیاز غم و زیاں کر کے
مجھے کامل سکون خاطر سے
اس تھکاوٹ کی رات سونے دے!

روح درماندہ و پریشاں کو
اپنی بے مدعا عبادت کی
انمنی بے حضور تیاری
پہ نہ مجبور کر زبردستی
کہ مشقت ہے ذکر بے مستی!

دن کی دکھتی نندا سی آنکھوں پر
ڈالتا ہے تو رات کا پردہ
تا کہ کر لے وہ نور کے تڑکے

نوم و نسیان و استراحت سے
اپنے انوار کو تر و تازہ

اور زار و زبوں رگ و پے میں
ارغواں زندگی کی رو دوڑے !

۲۶

وہ ہوا تشریف فرما رات کو
اور پہلو میں مرے بیٹھا رہا
نیند میری تھی پہ کیسی نامراد
تیرہ بختان ازل کی طرح میں سوتا رہا !

شب کے سناٹے میں وہ وارد ہوا
آنکھ میں مسکان ، بینا ہاتھ میں
اور گونجے میرے سپنے مدھ بھری گونجار سے

کیوں اکارت جارہی ہیں آہ یوں راتیں مری!
کیوں میں اس کی دید سے محروم ہوں
جس کی عطر آلود سانس
روز مس کرتی ہے میری نیند کو !

روشنی !

روشنی ہے کہاں ؟
آتش شوق سے
کر منور اسے !

شمع ہے شعلے کی ٹمٹماہٹ نہیں
میرے سرگشتہ دل ! کیا یہی ہے مقدر ترا ؟
موت بہتر ہے اس زندگی سے کہیں
خستگی کھٹکھٹاتی ہے تیرے کواڑ
اس کے ہونٹوں پہ ہے یہ پیام وصال
سن کہ تیرا خداوند بیدار ہے
ظلمت شب میں تجھ کو بلاتا ہے وہ
اس جگہ ـــــ ہے جہاں جلوہ گاہ جمال
آسماں ابر پوش اور مینہ
موسلا دھار ہے !
میرے دل میں یہ ہلچل ہے کیسی میں حیران ہوں
اس کے مطلب سے نا آشنا

ایک پل جو فلک پر چمکتی ہے برق
سنسنا اٹھتی ہے اور بھی تیرگی
یہ دل مبتلا
ڈھونڈتا ہے وہ رہ
نغمۂ شب مجھے دے رہا ہے صدا جس جگہ!

روشنی!
روشنی ہے کہاں؟
آتش شوق سے
کر منور اسے!
رعد کی گھن گرج ہے سنکتی ہے
ویرانیوں میں ہوا
رات کالی ہے مانند سنگ سیاہ
وقت کو تیرگی میں گزرنے نہ دے غم کو انگیز کر!
زندگی کے لہو سے چراغ محبت کی لو تیز کر!

۲۸

سخت ہے حلقۂ زنجیر گراں!
جب بھی کرتا ہوں مگر عزم شکست

ٹیس اٹھتی ہے رگ و ریشہ میں
مجھے درکار ہے بس آزادی
پر اسے چاہتے شرم آتی ہے
ہے مجھے اس کا یقیں
کہ تو اک گنج گرانمایہ ہے
معدن دوستی و کان خلوص
پہ ہیاؤ نہیں پڑتا میرا
اپنے کمرے کا اٹھا کر اسباب
شست و شو کرلوں، خس و خاش چھڑا لوں اس سے!

ہے مرا ستر فقط مرگ و غبار
ہے یہی میرے تن عریاں کی
پوشش چھینٹ قلمکار ـــ دثار اور شعار!
ہے مجھے اس سے کراہت، پھر بھی
پیار سے میں اسے لپٹاتا ہوں!
ان گنت مجھ پہ ہیں قرض و احساں
بے نہایت غم ناکامی و احساس زیاں
میری شرمندگی مستور و گراں

لیک جب بہر نماز آتا ہوں
تو اس اندیشۂ جاں فرسا سے
کہ دعا میری کہیں ہو نہ قبول
کانپتا ہے مرا رویاں رویاں !

۲۹

کر رہا ہوں میں جیسے محصور اپنے نام سے
وہ نوا سنج فغاں اس گوشۂ زنداں میں ہے
میں مگر اندیشۂ سود و زیاں سے بے نیاز
رات دن مشغول ہوں شام و سحر مصروف ہوں
ہر جہت آہرور اس دیوار کی تعمیر میں !

جیسے جیسے دن بدن
اٹھ رہی ہے آسماں کی سمت یہ دیوار گل
کھو رہا ہوں خود کو میں اس کے گھنیرے سائے میں !
ہے یہ دیوار عظیم
فخر و نازش کا سبب میرے لئے
ریگ و گچ سے لیپتا ہوں میں اسے
تا کہ چھوٹا سا نہ رخنہ بھی رہے اس نام میں

جس قدر بھی صرف کرتا ہوں توجہ اس پہ آہ!
بھولتا جاتا ہوں اتنا ہی میں اپنی اصل کو!

۳۰

میں تو تنہا ہی چلا تھا کوئی جانا نہ کو
خوابگوں رات کے سناٹے میں
بے تکلف مرے پیچھے پیچھے
کس کے قدموں کی صدا آتی ہے ؟

اس سے بچتا ہوں میں کتراتا ہوں
چلتے چلتے کبھی رک جاتا ہوں
پر نہیں راہ فرار
کون یہ شاہسوار
اپنی ڈینگوں سے اڑاتا ہے غبار
میرے ہر بول میں بڑھ کے جو ملا دیتا ہے
اپنی شوریلی ، غصیلی آواز ؟

آہ اے بار خدایا ! یہ تو
میری ہی زار و زبوں ہستی ہے

لخت و عور ، آنکھ مندی ، متواری
اس کے ہمراہ تری بزم بریں میں آتا
اے خداوند میں شرماتا ہوں !

۳۱

کسی شخص نے قیدیا !
تجھ کو مقید کیا ؟
اے مہرباں ! کیا کہوں
تھا وہ تو مالک مرا
میں نے کیا یہ خیال
بس ہے اسی میں کمال
ہر چیز کا انتخاب
ہرشے کا لب لباب
ہے دولت و اقتدار
جس کو نہیں ہے زوال
سرمایۂ اعتبار
دنیا میں ہے جاہ و مال
میں نے دبا کر خراج

مالک کا حق چھین کر
اپنا خزانہ بھرا
طاری ہوئی نیند ، تو
میں بے جھجک بے درنگ
آقا کا تھا جو پلنگ
اس پر چڑھا سوگیا
جاگا تو واحسرتا !
تھے منقلب رنگ ڈھنگ
کیا دیکھتا ہوں کہ قید
اپنے خزانے میں ہوں !
قیدی ! بتا کون تھا
جس نے بنائے یہ طوق
مربوط و مضبوط و تنگ ؟
یہ میری ہی ذات تھی
عیار و شنگول و شنگ
جس نے بہ ایمائے شوق
ڈھالے ہیں فولاد سے
حلقے یہ زنجیر کے !

اس زعم و پندار میں
طاقت مری بے بدل
سب کو بنا کر مطیع
مجھ کو کرے گی عطا
آزادیٔ بے خلل
اس واسطے میں رہا
دن رات گرم عمل
بھٹی دھکتی رہی
لوہا پگھلتا رہا
زنجیر بنتی رہی
جب آخر کار یہ
کڑیاں مکمل ہوئیں
مجھ کو ہوا یہ یقیں
محنت ٹھکانے لگی
اف! میرے ہی پاؤں میں
یہ بیڑیاں پڑ گئیں!

اس کارگاہ ربط و علائق میں
شاکی ہوں میں نوازش بیجا کا
جس کو بھی مجھ سے کوئی تعلق ہے
قطعاً سمجھ کے ملک یمیں اپنی
اخلاص لا کلام سے کرتا ہے
سعئی بلیغ میرے تحفظ کی
محبوبیت بھی جیسے اسیری ہو !

برعکس ہے مگر تری کیفیت
ہے چاہ تیری ان سے کہیں بڑھ کر
میں لوٹتا ہوں اس کے مزے لیکن
حاصل ہے قول و فعل کی آزادی !

مجھ کو وہ چھوڑتے نہیں تن تنہا
اس خوف سے کہیں میں اکیلے میں
سر جدول صحیفۂ خاطر سے
تحریر دوستی نہ مٹا ڈالوں

دن شامتا ہے رات سحرتی ہے
پر تو کہیں دکھائی نہیں دیتا !

چاہے دعا میں نام نہ لوں تیرا
طاری رہے ذہول و فراموشی
کرتا ہے انتظار مگر پھر بھی
تیرا خیال میری محبت کا !

۳۳

دن چڑھے میرے گھر آ کے کہنے لگے
سب سے چھوٹا کمرہ بس ہم لیں گے یہاں
اس کے بدلے ساتھ دیں گے اے مہرباں
تیری بھگتی میں ، تری پوجا پاٹ میں
اس کی کرپا سے ملے گا جو بھی ہمیں
عاجزانہ ہم اسے کر لیں گے قبول !

جم گئے وہ ایک کونے میں بعد ازیں
صورتیں مظلوم ، شکلیں مسکین تھیں
رات کے تاریک پردے میں بوالفضول
بے وضو درانہ معبد میں گھس گئے

جو چڑھاوے بھی چڑھے تھے الطار پر
ظالموں نے اپنے قبضے میں کرلئے !

۳۴

اتنی رمق بس مرے بت میں رہے
بار خدا ! کہ سکوں تو ہے مرا
اتنا ہی عزم و عمل بس ہے مجھے
کرسکوں محسوس ہر آور تجھے
کون ہے آفاق میں تیرے سوا ؟
اور ہر اک چیز میں پا کے تجھے
دمبدم اپنی وفا پیش کروں ؟
میرا وجود اس قدر زندہ رہے
جس سے تجھے میں نہاں کر نہ سکوں
طوق و سلاسل بس اتنے ہی رہیں
جس سے مشیت کا پابند رہوں
مقصد تخلیق میں زیست مری
جتنا تعاون کرے رنگ بھرے
اور یہ بندھن ترے عشق کا ہے !

جہاں ذہن بے خوف ، سر ہے بلند
جہاں علم کی دولت ارجمند
ہوا کی طرح مفت و آزاد ہے
جہاں خانگی تنگ تقسیم سے
نہیں ریزہ ریزہ قوام جہاں
ہیں پروردۂ صدق ، لفظیں جہاں
نہیں چاپلوسی سے واقف زباں
جہاں بازوئے کوشش نا تمام
ہیں جویائے تکمیل و نیل مرام
جہاں راہ بھولی نہیں عقل کی
مصفا ندی ، مردہ عادات زشت
کے ریتیلے صحرائے پر ہول میں
جہاں ذہن کو نت نئی وسعتیں
دکھاتا ہے تو سعی و ادراک کی
مرے باپ اس حریت کی بہشت
میں میرے وطن کو تو بیدار کر !

یہ التجا ہے میری بندہ پرور
ضرب شدید ایسی لگا جما کر
دل کا یہ نخل احتیاج و غربت
یکبارگی ہل جائے بیخ و بن سے
دے اس نحیف و زار کو وہ طاقت
جس سے بآسانی اٹھا سکے یہ
بار گران رنجش و مسرت
میرے قوا کو بخش وہ عزیمت
سوز درون عشق کو جو کر دے
وقف فلاح عام و خیر و خدمت!
ارزانی کر شانتی وہ شکتی
افلاس کے ماروں سے منہ نہ موڑوں
دربار میں سرکار میں کبھی بھی
میری جبیں خم ہو نہ میرے زانو!
اس بینوا کو دے وہ عزم و ہمت
ہنگامۂ روزینہ و شبینہ
پرواز پیک فکر کو نہ روکے!

حاصل ہو اس ناچیز کو یہ عزت
طاقت مری ہو تابع مشیت
شامل ہو تسلیم و سپردگی میں
سپارۂ دل ، کلیت محبت !

۳۷

جس وقت جواب دے گئے قوا
گزرا یہ خیال سر گراں مجھے
شاید کہ یہی ہے تمت سفر
مسدود ہے سامنے کا راستہ
سب زاد و متاع ختم ہو چکا
ہے کنج خمول و انزوا ، مقر !
برعکس ہوا یہ منکشف مگر
ہے مجھ میں رواں دواں تری رضا
قرطاس و محاورہ سے جب کبھی
فرسودہ حروف کہنہ ہوں فنا
تو پھوٹتے ہیں درون قلب سے
مزمور و مقام و رہ نئے نئے !

اوجھل ہوں پرانے راستے جہاں
ہے راہ نورد شوق کا بیاں
فی الفور پلک جھپکتے میں عیاں
ہوتا ہے نیا افق نیا جہاں!

۳۸

مرے دل کا مدام یہ ورد رہے
کہ دراصل مجھے ہے تری ہی طلب
مجھے لیل و نہار جنھوں کی کشش
کئے رکھتی ہے وقف تلاش و تعب
وہ امل وہ امنگ وہ عیش و طرب
ہیں دروغ و فریب و سراب و حطب!

ہے شبوں کے بطون میں جیسے نہاں
طلب سحر و خفقان ضیا
یونہی دھیان کے گپت بھون میں صدا
ہے یہی کہ مجھے ہے تلاش تری
تجھے کیسے ملوں، تجھے پاؤں کہاں؟

مے خروش کو جیسے تلاش سکوں
وہ اگرچہ سکوں سے ستیز کرے
یونہی میرا یہ شور غرور و جنوں
ترے رحم و کرم کے خلاف تو ہے
پہ سنو تو ہے اس کی پکار یہی
کہ مجھے تو فقط ہے تلاش تری
تجھے پاؤں کہاں ، تجھے کیسے ملوں؟

۳۹

جو سوکھے دل کی نمی
ہو دھڑکنوں میں کمی
بنے یہ قطرۂ خوں
تپ دروں سے شرر
اور انجماد سے ہو
حریف سنگ قمر
تو مجھ پہ رحمتوں کی
پھوار بن کے اتر !

خلل پزیر ہو جب
بنائے حسن عمل
تو رنگ بن کے نکل
ترانہ بن کے بکھر
زباد و عطر لٹا
بہار بن کے مچل
شرنگ غم کو بنا
نبات و شہد و شکر!

ہو کاروبار کا جب
جہاں میں شور بپا
اور ازدحام مجھے
حصار بند کرے
خدائے صمت و سکوت
مع قرار و سکون
مرے بچاؤ کو آ!

دریچے بند کئے
کواڑ بھیڑے ہوئے

دل فقیر منش
ہو جب فگار و حزیں
خموش و گوشہ نشیں
تو اے شہ دوسرا
بہ احتشام و لوا
کواڑ توڑ کے آ
دریچے کھول کے آ !

بنائے حرص و طمع
غرور و گرد سے جب
دماغ کو اعمیٰ
تو اے شہ یقظاں !
پئے تسلیٔ جاں
رباب رعد بجا
چراغ برق دکھا
روئے زمیں پہ اتر
رواق دل کو بچا !

کہیں آثار نہیں ابر و باد کے
یہ دل سوختہ رم جھم پھوار کا
ہے کئی روز سے مشتاق و منتظر
سر چرخ ابر خراماں کا ذکر کیا
کوئی دھبہ بھی نہیں برد نیل پر
ہے افق یا کوئی صحرائے بے گیا!

نہیں مینہ تو کوئی طوفاں ہی بھیج دے
گھلی ہوں جس میں اجل کی سیاہیاں
جو رضا تیری وہی میرا مدعا
فلک اخضری کو زلزلا ذرا
طپش صاعقہ و برق و رعد سے!

جو کرے تو تہ دل سے قبول ہے
مگر اس آتش پر التہاب کو
ہے جو بیداد گر و تیز و بے صدا
حرکت دشمن و آفاقی اے خدا!
دل بیتاب کو بھٹی میں جھونک کر

خس و خاشاک بناتی ہے یاس کا
کسی انداز کسی طور کر فرو !

اٹھے بادل افق لاجورد سے
مجھے دیکھے جو محبت سے اس طرح
پدری خشم کے دن ڈبڈبائی سی
نگہ مادر دلگیر جس طرح !

۴۰

اے دلربا ! اے عزیز خاطر !
تو خود کو پرچھائیں میں چھپائے
ان سب کے پیچھے کہاں کھڑا ہے ؟
پروا نہیں ہے کسی کو تیری
بیدرد مٹیالی رہگذر پر
دھکے لگاتے ٹھوکے دیتے
سب اپنی دھن میں رواں دواں ہیں !
پوجا کا سامان لے کے کب سے
میں اس جگہ منتظر ہوں تیری

مشکل ہے کتنا فراق جاناں !
جو بھی گزرتا ہے اس طرف سے
لیتا ہے پھول ایک ایک کر کے
خالی کیا ظالموں نے چھابا !

بیتا گجر دوپہر بھی گزری
لمبے ہوئے سائے اور پلکیں
میری انیندی ، نگہ خماری
گھر لوٹتے لوگ مسکرا کر
جب ڈالتے ہیں نگہ مجھ پر

ہوتی ہے اس وقت یہ بروگن
فرط خجالت سے پانی پانی !
بیٹھی ہوں جیسے کوئی بھکارن
سایہ کئے مکھ پہ اوڑھنی کا
کف میں لئے کاسۂ گدائی !
کیا چاہئے ؟ مجھ سے پوچھتے ہیں
آنکھیں جھکا لیتی ہوں حیا سے
ہوتی نہیں جرأت تکلم !

تو هی بتا کس طرح بتاؤں
مجھ کو تو ہے انتظار تیرا
آنے کا وعدہ کیا تھا تو نے
کس منہ سے یہ داستاں سناؤں!
میری فلاکت ہے داج میرا
دلق مرقع سہاگ جوڑا
کانٹوں کے گچھے ہیں تاج میرا
اس حال پر ہے غرور مجھ کو
دنیا ہے دارالسرور مجھ کو!

بیٹھی ہوئی مخملیں گیا پر
تکتی ہوں مینائے نیلگوں کو
اور دیکھتی ہوں سہانے سپنے—
تو جھلجھلاتا اچانک اترا
عالم چراغاں کا بتیوں سے
گاڑی پہ اڑتے سنہرے جھنڈے
حیرت زدہ لوگ رہ کنارے!
اترے تو تاروں بھرے گگن سے

مجھ خاک آلودہ کو اٹھانے !
میلی کچیلی سی یہ بھکارن
ہو تیرے پہلو میں مسند آرا !
خود بینی و شرم سے لرزتی
پیش ہوا گرمیوں کی رت میں
جس طرح آکاس بیل کانپے !

گھڑیاں حیات گریز پا کی
گزری چلی جا رہی ہیں لیکن
تیرے دمکتے سنہرے رتھ کے
پہیوں کی کوئی دھمک نہیں ہے !
کیا کیا براتیں ، جلوس کیسے
گلباریاں کرتے ، غل مچاتے
شادی کی شہنائیاں بجاتے
چھم چھم گزرتے ہیں سامنے سے!
لے دے کے بس تو ہی رہ گیا تھا
یوں بے نشاں بے وقار بن کر
ان کے عقب سائے میں کھڑا ہو؟

لکھا گیا ہے بسیکھ میرا
زحمت کش انتظار رہ کر
آنسو بہاؤں جلوں جلاؤں
کڑھ کڑھ کے غارت کروں گھلاؤں
بے سود ، بے کار خواہشوں سے
اس باورے درد مند دل کو ؟

۴۲

تھی یہ سر گوشی سحر گاہاں کہ کشتی میں چلیں گے
صرف ہم دونوں ، کوئی اس راز کا محرم نہ ہوگا
یہ ہماری یاترا مستور و سربستہ رہے گی
یہ محبت کا سفر ہے جس کی منزل ہے نہ جادہ !

پا کے تیری بھینی بھینی مسکراہٹ کا اشارہ
زیر چرخ نیلگوں ، پہنائے بحر بیکراں میں
لحن موسیقار سے پھوٹے گا سیل نور و نغمہ
موج کی مانند بے زنجیر ، شوریدہ ، جنونی
بندش الفاظ سے آزاد ، بے پروا ، فسونی !

کیا ملن کی شبھ گھڑی ، وقت وصال آیا نہیں ہے ؟
کیا ابھی باقی ہیں دھندے ، کام کیا نپٹا نہیں ہے ؟
دیکھ ساحل پر اتر آئی ہے شام ارغوانی
ڈوبتے سورج کی مدھم مٹتی بجھتی روشنی میں
اپنے اپنے آشیانوں کو چلے آبی پرندے !

کب کھلیں گے بادباں ، کس وقت ٹوٹیں گی طنابیں ؟
آخری جھلکی غروب شام کی مٹتی ہے جیسے
ہو نگاھوں سے یونہی اوجھل یہ کشتی قعر شب میں !

۴۳

وہ بھی اک دور تھا جس میں خوش دلی سے
نہ کی میں نے کبھی تیری میہمانی
بنا پوچھے تو در آتا میرے دل میں
ہو جیسے کوئی دھقانی ، مرد عامی !
بغیر آھٹ کے بن کھٹکے ، بے تکلم
مری عمر رواں کے کتنے ھی لمحے
بنائے تو نے از راہ مہربانی
لگا کر ان پہ مہر اپنی ، جاودانی !

اور آج ان پر پڑیں نظریں اتفاقاً
تو تیرا نقش سلطانی کندہ دیکھا
غبار و گرد میں آلودہ رہے وہ
معیت میں غم و اندوہ و طرب کی
مرے بیکار بھولے بسرے دنوں کے
خس و خاشاک میں وہ بھی رائگاں تھے!
مجھے مٹی میں گو دیکھا تونے لت پت
نہ کی پھر بھی ذرا بھر مجھ سے کراہت
جو آہٹ میں نے بازیچے میں سنی ہے
ستاروں میں وہی شب بھر گونجتی ہے!

۴۴

میری یہی تفریح و دل لگی ہے
کرتی ہی رہوں تیری انتظاری
اس راہ گزر پر کہ روشنی کا
پرچھائیں جہاں کرتی ہے تعاقب!
آتی ہے پس صیف فصل نیساں!
انجانے سماوات کے پیامی

جھک کر مجھے آداب عرض کہتے
سر گرم سفر مست خوشخرامی
منزل گہ مقصود کو رواں ہیں !

سینے میں اچھلتا ہے دل بلیوں
شیریں ہے نفس باد گلفشاں کا
دروازے پہ ہر روز بیٹھتی ہوں
آغاز سحرگہ سے جھٹپٹے تک
یہ علم ہے مجھ کو کہ ناگہانی
آئیں گے کسی غیر سر زمیں سے
وہ کیف کے لمحات ارغوانی
وہ شوخ سفیران شادمانی
اقلیم مسرت کے کاروانی
لائیں گے تری دید کا جو مژدہ
جی بھر کے کروں گی ترا درشن !

بیٹھی ہے اسی دھیان میں یہ برھن
وارفتۂ نغمات شوق آگیں
معمور اس اثنا میں ہو رہی ہے
وعدے کے تعطر سے باد شیریں !

۴۵

تم نے سنی کیا
اس کے قدم کی
خاموش آہٹ ؟
وہ آ رہا ہے
وہ آ رہا ہے
نت آ رہا ہے !

ہر آن ، ہر چھن
ہر دور ، ہر دن
وہ آ رہا ہے
وہ آ رہا ہے
نت آ رہا ہے !

نغمے الاپے
میں نے ہزاروں
ہر زیر و بم کے
ہر کیف و کم کے
آرام و رم کے

لا و نعم کے
تفریح و غم کے
ان کے سروں سے
لیکن برابر
آواز آئی
وہ آ رہا ہے
وہ آ رہا ہے
نت آ رہا ہے !

میگوں ، بسنتی
خوشبو سے بوجھل
روشن دنوں میں
جنگل کی ٹیڑھی
پگڈنڈیوں سے
وہ آ رہا ہے
وہ آ رہا ہے
نت آ رہا ہے !

ساون کی رم جھم
تاریکیوں میں

جب چھیڑتی ہے
دیپک کی تانیں
چڑھ کر گرجتے
بادل کے رتھ پر
وہ آ رہا ہے
وہ آ رہا ہے
نت آ رہا ہے !

اندوہ و غم کی
مشکل گھڑی میں
اس کے کف پا
چھوتے ہیں دل کو
غم کو خوشی سے
کرتے ہیں مبدل
اس کے قدم کا
لمس طلائی
اس سر خوشی کو
کرتا ہے صیقل !

مجھے خبر نہیں ہے کس زمانۂ دراز سے
مرے قریب آ رہا ہے تو وصال کے لئے
یہ مہر و ماہ و کہکشاں، نہ رکھ سکیں تجھے نہاں
تلاش کر ہی لیتی ہے مری نگاہ راز جو
کوئی لباس و رنگ ہو تو ہے مدام روبرو !
حریم شام میں کبھی سحر کی شاہراہ میں
سنی گئی ہیں تیری زندگی نواز آہٹیں
قدوم میمنت لزوم دل کی بارگاہ میں
ترے ستارہ رخ پیامبر کا بار ہا ہوا
رہی پس حجاب جس سے میری خفیہ گفتگو !
مجھے خبر نہیں کہ یک بیک یہ آج کس لئے
بنی ہے میری زندگی تمام شوق و ولولہ
گزر رہے ہیں دل سے شادمانیوں کے قافلے
نہیں یہ وقت مشکبار، فکر کار و بار کا
ہوا میں آمد نگار کا پیام ہے !

اس کا بے فائدہ انتظار کرتے
رات بیتی ، کہاں تک کوئی سہارے ؟
صبح کی گود میں چھپ گئے ستارے
مجھ کو ڈر ہے کہیں دن چڑھے اچانک
جب میں تھک ہار کر سو چکا ہوں آخر
آ کے میرا وہ دروازہ کھٹکھٹائے
دوستو ! راستہ چھوڑ دو نہ روکو
میرے دروازے اس کے لئے کھلے ہیں !

اس کی آواز پا سے اگر نہ جاگوں
تم نہ آواز دینا مجھے خدا را !
وہ ترانے ہوں مرغان خوشنوا کے
یا نسیم سحر کے لطیف جھونکے
ان سے جگنا نہیں ہے مجھے گوارا

میرا آقا بھی آ نکلے گر اچانک
مجھ کو رہنے دو سر مست خواب نوشیں
یہ مری نیند من موہنی رسیلی

صرف اس کے اشارے کی منتظر ہے
اس کا ہلکا سا مس بھی ہے اس کو کافی
بند آنکھوں کے کھل جائیں گے جھروکے
اس کے شیریں تبسم کی روشنی سے
نیند کی تھاہ سے جیسے خواب ابھرے
خمر موجود ہو تو خمار ٹوٹے!

ہر جھمکڑے سے ہر روشنی سے پہلے
ہو مرے سامنے کاشکے وہ جلوہ
روح بیدار کی اولیں مسرت
ہو اسی چشم میگوں کی آفریدہ
اپنے مرکز کو ہو بازگشت میری
فوراً اس کی طرف واپسی کا مژدہ!

۴۸

نیلاب صبح سکوت آلود میں
موج نوائے فسوں پرور اٹھی
پھولوں کے تختے دو رویہ خوشنما

بھیگا سماں آتش خنداں کا تھا
سب بدلیاں تھیں سنہری ڈھیریاں
سونے کی دوش ہوا پر جھلکیاں
دل سے ہٹا کر خیال این و آں
ہم اپنی دھن میں رہے لیکن رواں!

گائے خوشی کے ترانے اور نا
کھائیں قلابازیاں ہنس کھیل کر
اجناس بھی لیں نہ ہم نے گاؤں سے
نا مسکرائے نہ کوئی بات کی
نا راستے میں کہیں دم بھر رکے
جوں جوں گزرتا گیا وقت عزیز
توں توں قدم تیز تر کرتے گئے!
مہر جہاں تاب آیا راس پر
پیڑوں کے سائے میں کوکیں قمریاں
تپتی ہوئی دوپہر کی باؤ میں
کھاتے تھے چرخ ان گنے مرجھائے پات
برگد کے ٹھنڈے گھنیرے سائے میں

کمسن گڈریا خمار خواب سے
بوجھل پپوٹوں کو ملتا سو گیا !

چشمے کے نزدیک آکر میں نے بھی
اپنے تھکاوٹ سے دکھتے جسم کو
پھیلا دیا آودی گھاس پر !
مجھ پر ہنسے ہمسفر تحقیر سے
اور سر اٹھائے ہوئے چلتے گئے
ٹھہرے بے استراحت اور نا
پیچھے پلٹ کر انہوں نے کی نگاہ
دوری کے نیلے کہر میں کھو گئے
کتنے پہاڑ اور کتنے مرغزار
انجانے اور دور افتادہ دیار
دیکھے پھلانگے الانگے طے کئے !

اے جادۂ بیکراں کے رہرو
تم لائق عزت و توقیر ہو !

مجھ کو کچوکے دئے تضحیک نے
آکر ملامت نے بھی لیں چٹکیاں

حاصل نکوہش کا لیکن صفر تھا
اک شادماں مسکنت کی تھاہ میں
اپنے تئیں میں نے گویا کھو دیا
دھندلی مسرت کی وہ پرچھائیاں !
خورشید بافیدہ پیلی تیرگی
کی نرم شیریں حریری خستگی
آہستہ آہستہ دل پر چھا گئی !
بھولا میں اپنے سفر کا مدعا
حیرت گہ سایہ و نغمات میں
مدہوش ہو کر سراسر کھو گیا !

جس وقت آخر میں جاگا نیند سے
تو اپنے پائیں کھڑے دیکھا تجھے
نندیا کو مسکان سے بھرتے ہوئے
میں ڈر رہا تھا کہ میرا راستہ
دور و دراز اور نا ہموار ہے
تجھ تک پہنچنا بہت دشوار ہے!

تم اپنے تخت سے اتر کے
میری کٹیا کے در پہ آئے
اک کنج میں اے رسیلے کن رس
میں محو سرود تھا اکیلا
کانوں میں نوا نے شہد گھولا
گرمایا موسقی نے دل کو
تم اپنے تخت سے اتر کے
میری کٹیا کے در پہ آئے !

ہیں سینکڑوں مطرب و مغنی
وابستۂ بارگاہ عالی
رہتی ہیں سدا حضور شہ میں
آراستہ محفلیں غنا کی
پر موہ لیا تمہارے دل کو
اس ہیچمداں کی سادہ لے نے
اک درد بھرا خفیف نغمہ
مدغم ہوا جذب پرفسوں سے
گیتی کے عظیم زمزمے میں !

انعام کو ایک پھول لے کے
تم اپنی بلندیوں سے اترے
میری کٹیا کے در پہ آئے !

۵۰

گاؤں کے گلیاروں میں خانہ بخانہ
کاسہ لئے ہاتھ میں گھوم رہا تھا
دور سے ظاہر ہوا تیرا زرافشاں
جوت جگاتا ہوا سرخ عرابہ
جیسے کسی خواب کی شمع فروزاں
میں متحیر کہ یہ کون ہے آخر
جاہ و حشم سے مگر صاف عیاں تھا
ہے کوئی شاہ جہاں ، خسرو دوراں
دل نے پکارا کہ لے تجھ کو مبارک !
تیرہ نصیبی کے دن تیر گئے اب
بے طلب اب تو تجھے بھیک ملے گی
اور زرناب کے ڈھیر لگیں گے !

پاس مرے آن کر رک گئی گاڑی
مجھ کو کھڑا دیکھ کر تو اتر آیا
ہلکی سی ہونٹوں پہ اک موج تبسم
میں نے کہا واہ‌ری ! جاگی ہے قسمت !

آ کے مرے سامنے تو نے اچانک
ریجھ بھرا داھنا ھاتھ بڑھایا
اور کہا بول تو کیا مجھے دے گا !

تھا یہ ملوکانہ اک طنز و تمسخر
وا کف گنجور ھو پیش گداگر
سن کے یہ میں رہ گیا جیسے ٹھٹھر کر
ذھن پہ طاری ھوا گونہ تذبذب !

دانۂ جو آخری خورد و محقر
جو مرے کشکول میں خاک بسر تھا
میں نے تجھے دے دیا ڈرتے جھجھکتے
ذھن میں خلجان تھا دل میں تردد !

پر ھوا بے انتہا مجھ کو تحیر
رات پڑے فرش پر جھولی جو جھاڑی
سونے کا دانہ بھی اک اس میں سے نکلا
رنج سے میں رو پڑا، بندھ گئی ھچکی !

میری حماقت ھوئی موجب خفت
میری جہالت بنی داغ ندامت !
خود کو کہا سخت ست اور یہ چاہا
کاش کہ کرتا نہ میں تجھ سے یہ خست !

۵۱

رات گھری ھوئی تارے چھٹکے
ھوچکا دن کا سب کام پورا
ھم نے سوچا پئے شب گزاری
آخری میہماں آچکا ھے
کنڈیاں چڑھ چکی تھیں گھروں کی
پوری باڑی پہ تھا چپ کا پہرہ
بعض لوگوں نے کی کانا پھوسی

بادشاہ آنے والا تھا امشب
ہم ہنسے اور بولے غلط سب !

یوں لگا جیسے در پر ہے دستک
محض جھونکا ہوا کا ہے بولے
ہم چراغوں کو گل کر کے لیٹے
تاکہ سپنوں کی وادی میں گھومیں
بعض بولے کوئی ایلچی ہے
ہم ہنسے اوہ یہ تو ہوا ہے !

نصف شب کو اک آواز آئی
سوتے سوتے مگر ہم نے سوچا
دور کوئی کڑکتی ہے بجلی
ہڑبڑا کر زمیں تھرتھرائی
اور دیوار و در زلزلائے
نیند میں بعض یوں بڑبڑائے
یہ تو پہیوں کی ہے گڑگڑاہٹ
خواب آلود لہجے میں لیکن
ہم پکارے ارے بیوقوفو
صاف یہ تو گرجتے ہیں بادل !

تھی ابھی رات تاریک و تیرہ
ضرب نقارہ جس وقت گونجی
مت کرو آلکس جاگو جاگو
ہم نے دل پر رکھے ھاتھ اپنے
اور اک خوف مبہم سے کانپے
بعض بولے یہ ھے شاھی پرچم
فوراً اٹھ کر کھڑے ہوگئے ھم
ھوشیار اے غافلو ھو نہ دیری
بادشا آچکا لوگو لیکن
ھار کیدھر ھیں شمعیں کہاں ھیں؟
بیٹھنے کو نہیں تخت کوئی
سر ھیں شرم و ندامت سے نیچے
کیدھر ایواں، کہاں سازو ساماں؟

شور کرنے کا کیا فائدہ ھے
اب پشیمانیاں بے محل ھیں
کوئی فرزانہ چپکے سے بولا
خالی ھاتھوں سواگت کرو تم
سادہ کمرے میں اس کو اتارو

کھولو اپنے کواڑ اور خوشی میں
سنکھ ، ناقوس ، قرنا بجاؤ !

اپنے ویران تاریک گھر میں
بادشا رات مہمان اترا !
رعد کا شور ہے آسماں پر
کوندتی ہے اندھیرے میں بجلی
اپنی خستہ چٹائی نکالو
سونے آنگن میں جاجم بچھاؤ
بادشاہ شب تار و ویراں
ہے بلا اطلاع اپنا مہماں
بجلیاں لے کے ہمراہ طوفاں !

۵۲

بارہا میں نے سوچا مگر
دل ہے بودا نہ اس کو ہوا حوصلہ
تیری گردن میں جو پھول مالا ہے وہ مانگ لوں
گم اسی دھیان میں

میں رہی صبح کی منتظر
جب تو ہوگا وداع
چند مسلی ہوئی پتیاں تیرے بستر سے مل جائیں گی
اک بھکارن کے مانند کی میں نے وقت سحر جستجو
برگ آوارہ اک دو ملے
دل کا غنچہ کھلے، کس طرح چاک دامن سلے؟
کیا یہی ہے نشاں تیرے چت چاؤ کا
جو ملا ہے مجھے دلربا!
پھول ہے نا مسالہ نہ آب معطر کا ظرف
تیری شمشیر براں جو شعلے کی مانند رخشاں
ہے کوندے کی صورت گراں!
صبحگاہی کی نورس تجلی دریچے سے
چھن چھن کے بستر پہ ہے منتشر
یوں نوازن ہے مرغ سحر
بول پگلی تجھے کیا ملا؟
پھول ہے نا مسالہ نہ آب معطر کا ظرف
بس ترا تیغۂ خوفناک!

میں تحیر میں گم سوچتی ہوں بھلا
مجھ کو کیسا محبت کا تحفہ ملا
میرے گھر میں کہاں ہے جگہ
اس کو آخر چھپاؤں کہاں
میں اک ابلا بھلا کیسے پہنوں اسے ؟
چھاتیوں سے لگاؤں تو یہ چھیلتی ہے انہیں
پھر بھی رکھوں گی سینے میں تعویز ساں
بار اندوہ کا یہ نشاں
ہے ترا ارمغاں !

اب کوئی خوف و خطرہ نہیں ہے مجھے جیتے جی
موت کو تونے سیاں سہیلی بنایا مری
میری ہر جنگ میں فتح ہوگی تری
اپنے جیون کا میں اس کو زر تاج پہناؤں گی
بیڑیاں اپنی کاٹوں گی میں تیری تلوار سے
ولولے اب نہ اٹھیں گے سینے میں ہر هفت کے !
میرے البیلے محبوب ، میرے انوٹھے پیا !
اب کروں گی نہ کنجوں میں چھپ چھپ کے میں انتظار و فغاں

میرے عارض پہ شرم و حیا سے نہ دوڑیں گی اب سرخیاں
اب نہ پلکیں جھکیں گی نہ سوجھیں گی اٹھکیلیاں
میرے پریا مرے مرگ نینی نگار
تیری تلوار ھے اب سے میرا سنگھار
کھیل گڑیا کے کب تک بھلا کھیلتی ؟

۵۳

خوشنما ھے تاروں جڑا تیرا کنگن
اس میں ھیرے ٹکے ھیں کیا رنگ رنگ
اس مرصع کاری پہ ھے عقل دنگ
لیکن اس سے بڑھ کر ھے شمشیر تیری
جس کے برقی خم کا ھے انداز ایسا
جس طرح وشنو کا مقدس پرندہ
جست و پرواز کے لئے بازو کھولے
مہر مغرب کی خشمگیں سرخ ضو میں
پر فشاں آب و تاب سے جسم تولے !
یہ لرزتی ھے اس ادا سے کہ جیسے
موت کی ضرب واپسیں پر حرارہ

انتہائے اندوہ سے زندگی کا
یہ چمکتی ہے اس بھڑک سے کہ جیسے
بے دخاں شعلہ آتما کا لپک کے
نفس سفلی کو سر بسر راکھ کر دے !

تیرا کنگن ہے دلربا خوبصورت
اس میں ہے انجمیں جواہر کی لٹکن
تیری تلوار اے مالک رعد ، لیکن
ہے حقیقت میں انتہائے جمال
آنکھ جس پر ٹکتی نہیں وہ جلال
دھیان جس کا جمتا نہیں وہ خیال !

۵۴

مانگا نہ کچھ میں نے تجھ سے
نا نام اپنا بتایا
تو جب ہوا ہے روانہ
چپ چاپ آنکھیں جھکائے
دانتوں میں انگلی دبائے

میں تھی کنوئیں پر اکیلی
اس کنج کی آور جس جا
ہے پیڑ کا سایہ ترچھا
پنہاریاں جا چکی تھیں
بھر کے گھڑے گند مینہ
کولھے تھے پانی سے گیلے
سندر سنہرے رسیلے
دیکھا مجھے تو پکاریں
'او لاجونتی کماری !
سنگت میں آؤ ہماری
پو کا سمے تھا سہانا
اب دھوپ چڑھنے لگی ہے'
بانی سنی ناریوں کی
لیکن طبیعت نہ مانی
خوابوں خیالوں میں کھوئی
بیٹھی رہی میں اکیلی !
آواز پا تیری مطلق
کانوں میں میرے نہ آئی

مجھ سے ملیں جب نگاہیں
غم ان سے تھا آشکارا
آواز میں تھی نقاہت
''میں اک مسافر ہوں پیاسا
بعد مسافت کا مارا''
میں اپنے خوابوں سے چونکی
اور اوک میں آب سادہ
چھاگل سے تجھ کو پلایا

پتوں میں تھی سنسناہٹ
انجانی ظلمت سے کوئل
چنتا بھری لے میں کوکی
آئی خم رہگذر سے
بابل کے پھولوں کی خوشبو!

پوچھا ہے جب نام میرا
فرط خجالت سے گویا
زندہ زمیں میں گڑی میں
ہونٹوں سے تاب تکلم

آنکھوں سے موج تبسم
خفت نے سب سلب کرلی !
تھی یہ سراسر حماقت
کیا تھا مرا کارنامہ
تو مانتا جس کا احساں ؟

پر یاد اس واقعے کی
بن جانے جب تجھ کو سیاں !
بندی نے پانی پلایا
دل میں کرے گی اجالا
اس میں بھرے گی حلاوت !
بدلی سحر، دوپہر سے
مرغ چمن کی نوا میں
آثار ہیں ماندگی کے
ہے نیم کی ڈالیوں پر
اک رس بھری سرسراہٹ
سرگوشیاں پتیوں کی
بجتی ہو جیسے پکھاوج !

بیٹھی ہوں لیکن میں حیراں
خوابوں میں غلطاں و پیچاں
یادوں کے پیچھے پریشاں !

۵۵

برشتگی ترے دل میں غنودگی ہے پلکوں پر
نسیم غالیہ سا سے تجھے ملا نہیں مژدہ
کہ خار محفل گل میں
کھڑے ہیں لیے کے سنگینیں
ہوں جس طرح کمر بستہ
حضور شہ میں درباری !

پکارتی ہے بیداری
ہے صبح کی عملداری
پکڑلے زلف پیچاں سے
نگار وقت پراں کو
یہ شاہناز چنچل ہے
خوئے وفا نہیں رکھتی !

حبیب بے ریا میرا
ہے منتظر تن تنہا
دیار بکر عزلت میں
کٹھن ہے راستہ جس کا
نہ زینہار کر اس سے
فسوس و زرق و مکاری!
گجر صدا لگاتا ہے
پکارتی ہے بیداری!

جو دوپہر کی حدت سے
یہ سائبان زنگاری
جگر جگر دھکتا ہے
تپ دروں کی شدت سے
کراھتا کلپتا ہے
جو تپتی ریت پھیلاتی ہے اپنی پیاس کا دامن
تو سانس کیوں الجھتا ہے؟

نگار خانۂ دل میں
کوئی مسرت نوشیں

نہیں ہے ولولہ آگیں ؟
ترے قدم کی آہٹ پر
رباب جادۂ رہ سے
نوائے درد کا شیریں
ترانہ کیا نہ پھوٹے گا ؟

۵۶

ہے یونہی تری مسرت
مری ذات میں لبالب
یونہی رفعتوں سے اترا
مرے واسطے تو یا رب !
تو خلا ملا کا مالک
تو سما سمک کا والی
ترے در کا میں سوالی
بہ ادب یہ پوچھتا ہوں
کہ یہ سر پھرا نہ ہوتا
تو پھر اٹھ کے کون لیتا
ترے عشق کی امانت ؟

ھے مرے تہ تصرف
یہ تری تمام دولت
کہ بطور خاص تو نے
مرے ساتھ کی شراکت
ترے حظ بیکراں کی
مرے ذھن میں ھے لیلا
مری زندگی میں نسدن
ھے عیاں تری مشیت
ھے مصوری کی عاشق
تری پر بہار اچھا

یونہی اے عزیز دوراں
مرے دل کے موہنے کو
بصد آب و تاب تونے
یہ لباس حسن پہنا
یونہی تیرا عشق گم ھے
دل دوست کے عمق میں
ھے وصال تام ان کا
ترا درشنی جھروکہ !

روشنی یہ روشنی میری ذاتی روشنی
انفس و آفاق میں تھرتھراتی روشنی
پتلیوں کو چومتی چمچماتی روشنی
دل میں شکر گھولتی گنگناتی روشنی

ناچتی ہے روشنی
جان من ، جانان من !
اس مقام خاص پر
میری ہستی کا جسے
مرکز و محور کہیں
روشنی ہے زخمہ زن
جان من ، جانان من !
میرے ساز عشق پر !

آسماں ہوتا ہے وا
تند چلتی ہے ہوا
اور روئے ارض پر
گونجتا ہے قہقہہ

روشنی کے بحر پر
پھیلتے ہیں ارغوان
تتلیوں کے بادبان
روشنی کی لہر پر
کرتے ہیں اٹکھیلیاں
کیا چنبیلی کیا کنول!
ہے یہی خیرالعمل!

بدلیوں پر روشنی —
چادر زر ہے تنی
اے نگار سیمبر!
دیکھ تو ہے دیدنی
باغ و راغ شہر پر
بارش لعل و گہر!

روح کیف و انبساط
جھومتی ہے ڈال ڈال
ناچتی ہے پات پات
اے نگار سحر فن!

شنگل و شنگول من !
ساحل دریائے چرخ
غرق طغیانی ہوا
اے زہے سیل نشاط !
اوج و موج انبساط !

۵۸

ہاں! مرے آخری نغمۂ روح پرور میں ہونے دو ضم
جس قدر بھی مسرت کے ہیں زیر و بم !
وہ مسرت بچھاتی ہے جو جوش تخلیق سے
پردۂ خاک پر بستر مخمل خشک و نم
وہ مسرت جو پہنائی دہر میں
زندگی۔۔موت کو بہنیں جڑواں ہیں جو
گاہ و بیگاہ رکھتی ہے سرگشتۂ
رقص و رم !
وہ مسرت جو ہنگام طوفان میں
خندۂ شادمان و موفق کی جھنکار سے
وصل آزرم و پیکار سے

گرم رکھتی ہے، ہنگامۂ
کیف و کم، بازیٔ بوس وشم!
وہ مسرت جو آنسو لئے چشم بیمار میں
درد و کلفت کے سرخ و شگفتہ پدم
پر لبوں کو سئے
بیٹھتی ہے بہ اظہار غم
وہ مسرت جو اپنی ہر اک چیز کو
خاک میں پھینکتی ہے بغیر
کلام و کلم!

۵۹

مجھے علم ہے جاناں! ان اسرار پرچیں کا
کہ یہ ایک پردہ ہیں ترے عشق رنگیں کا
تجلی یہ زرینہ جو پتوں پہ رقصاں ہے
فلک جن کی بازیگہ ہے وہ ابر آوارہ
یہ باد سبک پیما اثر جس کی خنکی کا
مجھے اپنی پیشانی پہ محسوس ہوتا ہے
ہیں نیرنگ گوناگوں ترے عشق بیچوں کے!

ضیائے سحر گہ نے بھرا میری آنکھوں کو
یہ گویا مرے دل سے تری ہمکلامی ہے
جھکا ہے ترا چہرہ لب بام گردوں سے
بلندی سے تکتی ہیں تری مہرباں نظریں
مری مست نظارہ غم آلود نظروں کو
مرے دل نے جان جاں! قدم چھو لئے تیرے!

٦٠

عالم بیکراں کے
بحری ساحل پہ ہوتے ہیں بچے اکٹھے
سر کے اوپر ہے چتر آسمانی
غیر محدود و خاموش و حیراں
پاس منہ زور، سرشور پانی
موج در موج غلطان و افتان و خیزاں!

عالم بیکراں کے
بحری ساحل پہ بچے اچھلتے ہیں فرط خوشی سے
ناچتے کودتے اور نعرے لگاتے
لوٹتے ہیں مزے خرمی کے!

ریت میں وہ بناتے ہیں اپنے گھروندے
اور خرمہروں سے کھیلتے ہیں
سوکھے پتوں کے نازک سفینے
بحر مواج میں ریلتے پیلتے ہیں
بچے دنیاؤں کے ساحل بحر پر کھیل میں محو ہیں

شص و شبکہ سے بیگانہ ، نا آشنائے شنا ہیں
پہلوؤں میں دل پاک و بے مدعا ہیں
موتیوں کے تمنائی ڈب ڈب لگاتے ہیں غوطے
اہل کسب و تجارت جہازوں میں کرتے ہیں سیر و سیاحت
سنگریزوں کو چنتے ہیں بچے
کھیلتے ہیں چمکتی ہوئی کھوکھلی سیپیوں سے
شوق ہے دام افگنی کا، نہ مخفی خزانوں کا لپکا !

قہقہے مارتا ہے سمندر ، اچھلتا ہے مینڈھا
ساحل بحر کی مسکراہٹ ہے پیلی سنہری
خون آشام لہریں سناتی ہیں بچوں کو مہمل ترانے
جیسے ننھے کا جھولا جھلاتے سمے گائے ماں لوریاں

بچوں سے کھیلتا ھے سمندر

ساحل بحر کی مسکراھٹ ھے پیلی سنہری

بے نہایت جہانوں کے ساحل پہ ملتے ھیں بچے
قلزم نیلگوں میں تلاطم بپا ھے
چرخ بے راہ پر آندھیاں چرخ زن ھیں
ڈولتی ناویں طوفانی موجوں کی بیداد سہتی
زیر آبی چٹانوں سے ٹکرا کے ھیں ٹکڑے ٹکڑے
چار سو سنسنی ھے اجل کی
گلبدن بچے لیکن
اپنے کھیلوں میں مست و مگن ھیں !

بے نہایت جہانوں کے ساحل پہ بچوں کا ھے
اجتماع عظیم !

٦١

کودک نو خیز کی آنکھوں میں نیند
چھپ کے جو آتی ھے دبے پاؤں سے
اس کی سکونت کا تمہیں علم ھے ؟

ہم نے سنا ہے فقط اتنا ، جہاں
سائے ہیں بن کے گھنے گھیرے ، سماں
دن کو بھی ہے پردۂ ظلمات کا
جگنوؤں کی جوت سے روشن جہاں
شہر پریزادگاں ہے ـــــ وہاں
جادوئی آویختہ کلیاں ہیں دو
اس کی رہائش اسی خطے میں ہے
ہے یہ اسی ملک فسوں کی سفیر

بال کے ہونٹوں پہ ہنسی کی لکیر
سوتے میں آئی ہے جو اکثر نظر
کونسے مدھ بن کی ہے روح رواں ؟

اس قدر اڑتی سی ملی ہے خبر
ایک کرن تھی مہ نو کی جواں
ساختہ پرداختہ نوخاستہ
اس نے سر دامن ابر سیاہ
فصل خزاں میں کہیں مس کر لیا
بس اسی شبنم سے دھلی صبح کے

خواب سے پھوٹی یہ تبسم کی رو
رقص کناں جو لب نوشیں پہ ہے !

تن بدن طفل طرحدار میں
آرزو انگیز طراوت کی لو
نور شگفتہ کا جسے نام دیں
کونسے کاشانہ و گلزار میں
آج تک آسودہ و سرمست تھی ؟

ماں تھی ابھی جب کہ مہکتی کلی
کیفئی خمخانۂ دوشیزگی
اس کے رگ و ریشہ میں پیوست تھی
بربط روحی پہ تھرکتی ہوئی
نازک و شیریں یہ تر و تازگی
ناچتی ہے بچے کے جو انگ انگ میں
ماں کی جوانی کا وہی راز ہے
ہے جو نمودار اب اس رنگ میں !
نغمۂ مستانہ خرام شباب
طفل پریرو کا ہیولیٰ بنا !

۶۲

رنگ برنگے کھلونے تیرے لئے میں
جب کبھی لایا خرید کر مرے بیٹے !
ابر کے جلووں میں کیوں ہے بو قلمونی
ندی کے پانی میں دھاریاں سی ہیں کیسی
صنعت صباغ دشت و در سے نمایاں
رنگ محل کیوں بنا ہے صحن گلستاں
قوس قزح میں کہاں سے آئے یہ الواں ؟
مجھ پہ کھلا ناگہاں یہ راز نہفتہ
تیرے لئے شوخ رنگدار کھلونے
لخت جگر جب بھی میں خرید کے لایا !

جب کبھی ہوتا ہوں محو ساز و ترنم
تا کہ کروں تجھ کو ناچ نرت پہ مائل
تب مجھے ہوتا ہے علم اس کا عزیزم
کس لئے بجتا ہے شاخسار میں باجا
زیر و بم جزر و مد سے کس لئے لہریں
رکھتی ہیں ساحل کو سر خوش مۓ نغمہ

جب کبھی گاتا ہوں رقص و وجد کی خاطر
ذہن پہ کھلتا ہے یک بیک یہ معما !

جب کبھی دیتا ہوں میرے لاڈلے لا کر
میں تری بیتاب مٹھیوں میں مٹھائی
مجھ پہ یہ ہوتا ہے آشکار اچانک
پھول کٹورے میں کیوں ہے شہد مصفا
کس لئے پھل ہیں خزانہ دار حلاوت !

جب کبھی میں چومتا ہوں تجھ کو دلارے
تا کہ کھلیں گدگدی سے غنچے لبوں کے
تب میں سمجھتا ہوں نیل زار افق پر
رہگذر آسماں سے بہتی ہے کیسی
نور بھری چمچماتی جوئے مسرت
کیسی یہ تاثیر ہے فضائے چمن میں
باد بہاری کے لمس نرم و خنک سے
بھرتی ہے مستی ہر ایک عضو بدن میں !

جن احباب سے میں نہ تھا آشنا
مجھے تو نے ان سے کیا روشناس
وہ گھر غیر تھے جو کہ میرے لئے
وہاں میری رہنے لگیں بیٹھکیں
کیا تو نے نزدیک ہر دور کو
جو بیگانہ تھا وہ یگانہ ہوا

مرے دل میں ہوتا ہے گو دغدغہ
اگر چھوڑنی ہو پرانی جگہ
پر اس بات کو بھول جاتا ہوں میں
کہ مہمل ہے فرق قدیم و جدید
ہے تو ہر جگہ آشکار و پدید

وہ عقبیٰ کا ہو دار بیم و رجا
کہ یا بت کدہ مرگ و تخلیق کا
جہاں بھی میں جاؤں، جہاں بھی رہوں
تو ہوتا ہے جلوہ گر و رو نما!
ہے تو وہ رفیق و انیس و جلیس

مسرت کی زنجیر زرتار سے
جو رکھتا ہے پیوستہ و منسلک
مجھے دامن و دست اغیار سے!
تری دوستی، آشنائی تری
ہے رفع حجابات نامحرمی
کہیں داخلہ منع رہتا نہیں
زمیں بنتی ہے رشک خلد بریں!

دعا کاش میری نہ ہو مسترد
کہ کثرت کے گلزار نیرنگ میں
رہے ساتھ لمس کریم احد
کہ ہے لغز پا کو یہ حبل متیں!

۶۴

میں نے ویران دریا کی ڈھلوان پر
لہریا گھاس کے درمیاں
اس بت نازنیں سے کیا یہ سوال
اے پریزاد! تو جارہی ہے کہاں
اپنے دامن کا دیپک پہ سایا کئے؟

گھپ اندھیرے میں سونا ہے
میرا مکاں
روشنی دے کے احسان کر اے مہرباں!

اس نے کجراری کافر نگاہوں
کو اونچا کیا
اور چہرہ مرا جھٹپٹے میں تکا
آئی ہوں میں تو دریا کنارے — کہا
تاکہ لہروں کی بھینٹ اس دئے کو کروں
اس سمے جب ہو سورج غروب اور افق لالہ گوں!
لہریا گھاس کے درمیاں میں اکیلا کھڑا!
ٹمٹماتے دئے کو سر موج تند
رائگاں بہتے دیکھا کیا!

سائے گہرے ہوئے تو سکوت شب آہنگ میں
میں نے پوچھا کہ اے کامنی
لے کہ مہندی لگے ہاتھ میں یہ چراغ
تو چلی ہے کہاں!
تیرے گھر میں تو ہے روشنی

گھپ اندھیرے میں سونا ہے میرا مکاں
کردیا دے کے مجھ پر دیا!

کالی آنکھیں آٹھا کر لیا
اس نے پل بھر مرے چہرے کا جائزہ
اک ذرا سی مذبذب رہی
آخر اس طور گویا ہوئی—
آئی ہوں تاکہ اپنے دئیے کو کروں نذر آکاش کی!
میں کھڑا ان دیوں کو خلا میں نپٹ
رائگاں جلتے دیکھا کیا!

رات آدھی ہوئی سنسنایا اندھیرا کہ مہتاب نکلا نہ تھا
میں نے پوچھا کہ اے سانوری!
ایسی کیا تیرے من کو لگی
یوں جو رکھا ہے تونے دیا دل کے پاس؟
گھپ اندھیرے میں سونا ہے میرا مکاں
اور میں بھی اداس
یہ دیا تو مجھے سونپ دے!

چلتے چلتے رکی اور کچھ سوچ کر
اس نے اندھیارے میں میرا چہرا تکا
اور بولی میں لائی ہوں اپنا دیا
تا کہ اس کو چراغاں کے میلے میں شامل کروں !
میں کھڑا اس چراغ تنک تاب کو
اس چراغاں میں بے فائدہ جلتے دیکھا کیا!

۶۵

کون سا مشروب قدسی
یا الٰہی !
تو کرے گا نوش جاں
میری ہستی کے چھلکتے جام سے ؟

میرے شاعر !
کیا یہ ہے تیری رضا
میری آنکھوں سے تو نظارہ کرے
اپنی تخلیقات کا
اور اپنا لازوال آھنگ سننے کے لئے

میرے کانوں کے دریچوں کے قریب
سانس روکے با ادب استادہ ہو ؟

تیری دنیا بن رہی ہے لفظ میرے ذہن میں
جن کو کرتی ہے شناسائے نوا تیری خوشی
خود کو از راہ محبت سونپ دیتا ہے مجھے
اور پھر محسوس کرتا ہے تو میری ذات میں
اپنی سمپورن مٹھاس اپنی لطیفی لذتیں !

۶۶

سدا رہی جو مرے حجلۂ خیال میں پنہاں
جھروکۂ شفقی سے بھی جو ہوئی نہ نمایاں
دم سحر بھی دکھایا نہ جس نے عارض تاباں
نقاب اوڑھے مرے لحن واپسیں کا خدایا !
وہ نازنین سمن پیرہن وہ لعبت عذرا
ترے حضور میں ہوگی مرا بس آخری تحفہ !

وہ رام ہو نہ سکی لفظ رائیگاں گئے سارے
فریب و حیلہ و افسوں نہ چل سکا کوئی اپرس

حریم دل کو کئے اس کی روشنی سے منور
میں گھاٹ گھاٹ پھرا اور دیس دیس میں گھوما
مری حیات کے ہر انحطاط و نشو و نما کا
رہی وہ دلبر رعنا مدار و مرکز و محور !
مری قلمرو خواب و خیال و سعی و عمل میں
رہی اگرچہ وہ برسوں ورق نگار خدائی
حجاب اٹھ نہ سکے درمیان سے شرم و حیا کے
کبھی اندھیرے اجالے جھلک بھی اس کی نہ پائی

مرے مکان کے لوگوں نے بارہا کئے پھیرے
اور اس کے باب میں پوچھا پہ ہوسکی نہ رسائی
نمود و نام کی جویا رہی سدا تن تنہا
بوصف ذوق تماشا و شوق جلوہ نمائی
کسی نے دھر میں دیکھی نہ اس کی صورت زیبا !

۶۷

تاروں بھرا گگن بھی تو اور تو ھی آشیانہ
خوشبو و رنگ و صوت سے اے دلبر زمانہ!

اس آشیاں کو تونے بنایا نگار خانہ
شہباز روح جس میں ہے نخچیر عشق قدسی!

آتی ہے نوعروس سحر شرمگیں ادا سے
اک دست زرنگار میں پکڑے سنہری ڈلیا
دوجے میں تازہ حسن و صباحت کی پھول مالا
ڈالے گلے میں تاکہ اسے مادر زمیں کے!

آتی ہے شام، کوئی پری جیسے انجمن میں
زلفیں سیاہ لٹ پٹی پوشاک ارغوانی
چپ ہیں نوا فروش چمن، مرغزار و بن میں
ہے ریوڑوں کا ہمہمہ، نے نغمۂ شبانی
گاگر طلائے ناب کی بحر شفق سے بھر کے
آب زلال راحت و تسکیں کی نازنینہ
چلتی ہے رسمساتی کڑے سے کڑا بجاتی
پر خواب دھندلے راستوں میں شام کی حسینہ!

برپا ہے جس جگہ فلک بیکراں کا خیمہ
رمنہ غزال روح کا جس کو کہیے زمانہ

ہے اس پہ نور ہفت طباقی کی حکمرانی
دن ہے نہ رات اس میں کوئی رنگ ہے نہ پیکر
الفاظ بے نوا کا ہو اس میں گزر تو کیونکر!

۶۸

مری دنیا میں آتی ہے شعاع مہر تیری
کشادہ بازؤں سے اور رک جاتی ہے باہر
کھڑی رہتی ہے سارا دن وہیں بیرون در ہی
کہ دل بادل مری آہوں، سرودوں، آنسوؤں کے
ترے قدموں میں لے جائے سفیرانہ اڑا کر!

وفور سر خوشی سے بے تکلف اوڑھتا ہے
تو اپنے انجمینہ سینے پر کہریلی چادر
ہزاروں پیچ و خم سے گونہ گوں طرز و ادا سے
ہے ترکیب اس سحابی شال کی قوس قزح کے
ان الوان حسیں سے جن کا شیوہ ہے تغیر!
ہے رنگ اس کا سیہ ہر آن شان اس کی نئی ہے
بساط بزم و شادروان مشکو بھی یہی ہے!
بنت میں نرم و نازک اس میں اشکوں کی تری ہے!

اسی خاطر تو اتنی اس سے کرتا ہے محبت
بتا اے صاحب خلوت گہ تقدیس و نزہت!
اسی خاطر یہ چادر اپنے عکس حسرتی سے
تری اجلی جلالی روشنی کو ڈھانپتی ہے؟

٦٩

وہی جوئے حیات میری رگوں میں
گرم جولاں ہے جو ہر آن پیا پے
وہی کل عرصۂ جہاں میں رواں ہے!

رقص فرما، مقام و راہ سے آگہ
یہ وہی زندگی ہے جوش نمو سے
پھوٹتی ہے جو گرد کوچہ و کو سے
برگ رطب و گیاہ سبز کی صورت
یہ وہی زندگی ہے ذوقیٔ جلوہ
ہے شب و روز جو پدید و ہویدا
جامۂ گل سے پتیوں کی قبا سے
دامن مشکسائے موج صبا سے

کف دست چنار و برگ حنا سے
امگے جو بن سے لالہ زار لقا سے !
یہ وہی زندگی ہے چڑھتے اترتے
مرگ و تولید کے وسیع سمندر
کے پنگوڑے میں جھولتی ہے جو ہر دم !

یوں ہے جیسے رگ و پے و عصب تن
ہو گئے شاندار و سرخوش و فرحاں
لمس گرم حیات و شور انا سے !
باعث فخر و ابتہاج دل و جاں !
عصر در عصر زندگی کی وہ دھڑکن
اس گھڑی جو مرے لہو میں ہے رقصاں!

۷۰

کیا تجھ کو اختیار نہیں ہے
اس جلسۂ نشاط میں تو بھی
مستانہ وار کر سکے شرکت
ہچکولے کھائے، ٹوٹے، گمے، اس

لذت کے خوفناک بھنور میں ؟

آگے کو دوڑتی ہے ہر اک شے
مستغنیٔ قرار و توقف
بس سامنے نگاہیں لگی ہیں
ٹھہرالے ! یہ مجال کسی کی؟
اپنی لگن میں اپنی ہی دھن میں
محو خرام و گرم عمل ہے !
ان تیز بے قرار دھنوں کے
آہنگ زیر و بم کے مطابق
آتے ہیں ناچتے ہوئے موسم
چل دیتے ہیں جو چشم زدن میں !

رنگوں کا، خوشبوؤں کا، دھنوں میں
گرتا ہے آبشار برابر
رعنائی و سرور و طرب کے
اک عالم شکن بہ شکن میں
جو لطف انتشار اٹھا کر
ہر لمحہ ہمکنار اجل ہے !

شوق ھو مجھ کو نمود بیجا کا
اپنی خودی کو میں استوار کروں
رنگ برنگی گرا کے پرچھائیں
تری تجلی کو داغدار کروں
بار خدایا ! ھے یہ تری مایا !

تو کھڑی کرتا ھے خود حد فاصل
ایک حجاب آپ اپنی ھستی میں
اور پھر اپنے کٹے پھٹے دھڑ کو
لحن بدل کے پکارتا ھے کہ مل
ھے یہی فصل و فراق ذات بریں
جس نے مرے روپ میں ظھور کیا !

درد بھرے دلگداز نغمے کی
گونجتی ھے بازگشت گردوں پر
بوقلموں آرزو و اندیشہ
اشک و تبسم کے ڈھیر لاتے ھیں
نت نئی اندر سبھا رچاتے ھیں

لہریں سدا ڈوبتی ابھرتی ہیں
خواب ہمیشہ بگڑتے بنتے ہیں
مجھ میں نمایاں شکست ذات تری!

پردہ جو تانا ہے تو نے زنگاری
مو قلم صبح و شام نے اس پر
کھینچی ہیں بے حد و حصر تصویریں
اور پس پردہ جلوہ گہ تیری
کاڑھی عجائب کی ٹیڑھی سوزن نے
منحنی و ناگذار و پیچا پیچ
مستوی و مستقیم خط ــــ القط !

تیری مری ہی یہ سب نمائش ہے
جو نظر آتی ہے چرخ اخضر پر
تیری مری دھن سے ہی رباب ہوا
پردۂ آہنگ و رنگ و رامش ہے

صبح ازل سے نگاہ سال و مہ
بھول بھلیاں میں ظلمت و ضو کی
محض ہمیں کو تلاش کرتی ہے !

۷۲

یہ وہی ہے پردہ نشیں
جو حریم دل میں ہے
ہوشیار کرتا ہے
میری ذات کو جس کا
مس عمیق و پوشیدہ !

ہاں وہی ان آنکھوں پر
ڈالتا ہے سحر اپنا
اور سر خوش و شاداں
دل کے تاروں پر
چھیڑتا ہے مطرب ساں
دلنواز لحنوں میں
درد اور لذت کے
نغمہ ہائے نور افشاں !

یہ وہی ہے مایا کے
جو کہ جال بنتا ہے
رنگ تانے بانے میں

چاندی اور سونے کے
ہلکے آسمانی سے
ڈھڈھانے دھانی سے
جو کہ دمبدم بدلیں
اس کے پاؤں، پرتوں سے
آب و تاب سے جھلکیں
ان کے لمس سے طاری
مجھ پہ خود فراموشی!

دن طلوع ہوتے ہیں
گرد راہ بنتے ہیں
قافلے زمانوں کے
ہے وہی مرے دل میں
جو مدام کرتا ہے
بے شمار ناموں سے
بے حساب بھیسوں میں
کلفت و مسرت کے
لاتعد و لاتحصیٰ

نیمخواب پردوں میں
ایک تھرتھری پیدا !

۷۳

ہے غیب کی یہ ندا ترک میں نجات نہیں
ہوئی مجھے دل زندہ کے فیض سے محسوس
ہزار طوق مسرت میں روح آزادی !
انڈیلتا ہے ہمیشہ مرے پیالے میں
شراب تازہ تو اقسام رنگ و خوشبو کی
حریف آتش سیال ہے سبوئے گلی !

مرا جہان ترے شعلۂ فروزاں سے
جلا کے جذب عقیدت کی گونہ گوں شمعیں
چڑھائے گا ترے ہیکل کی پاک ویدی پر !
کبھی نہ بند کروں گا بقید ہوش و حواس
حواس خمسہ کے روشن کشادہ دروازے !
ترے سرور حقیقی کی مے مجازی ہے !

خیال خام تپ اندروں کی سوزش سے

بنے گا شمع مسرت کی دلنواز شعاع
لگیں گے نخل تمنا میں پھل محبت کے !

۷۴

ڈوب گیا دن
پھیلے زمیں پر سائے
ندی کنارے جا کر
گاگر بھرنے کا وقت آیا !

موجوں کی حزن آمیز
موسیقی سے
نسیم شام ھے دل انگیز
یہ نوائے افسونی
جادۂ ظلمانی میں
دیتی ھے مجھے آواز
راہ سنسان
سونی گلی
مٹیالے کوچے میں

تیز ہوا کا شور !

دریا میں

تند لہروں کا زور !

کون جانے گھر لوٹوں یا نہ لوٹوں

کون جانے کون کہاں مل جائے !

گھاٹ پہ نوکا میں بیٹھا

بنسی بجاتا ہے کوئی

پردیسی ، البیلا !

۷۵

کرتے ہیں تیرے ارمغاں

ہم فانیوں کی حاجتیں

اے خالق و رازق ، روا

یا للعجب ، با ایں ہمہ

پھرتے ہیں سوئے آسماں

معمور و سالم ، بیگماں

دریا کا بھی دستور ہے
پڑتے ہیں اس کی راہ میں
گو، کھیت باڑے بستیاں
لیکن خرام موج کی
بیتابیاں ہیں اس قدر
تا کر سکیں وہ زود تر
ترے قدم کی شست و شو!

خوشبوئے گل سے ہے ہوا
گلزار کی مہکی ہوئی
اس نو بہار ناز کی
ہے آخری خدمت یہی
خود کو خوشی سے سونپ دے
اے باغبان جاں، تجھے!

شاعر کے لفظوں کو عوام
گرچہ پنہاتے ہیں مدام
حسب مراد و دلپسند
شرح و معانی کا لباس

پر درحقیقت ان کی بھی
غایت ہے تو ہی آخری !

۷۶

متاع زندگیٔ مستعار کے مالک
ترے حضور میں ہر روز حاضری دوں گا!
خدائے ارض و سما ، خالق خلا و ملا
میں دست بستہ ترے روبرو کھڑا ہوں گا !

ترے وسیع و عریض آسماں کے سائے تلے
بہار بند طلسم سکوت و تنہائی
دھڑکتے دل سے ترے روبرو کھڑا ہوں گا !

تری اس آگ بھری پر بہار دنیا میں
ازل سے جس میں ہے آشوب آزمائش کا
جہاں کھوے سے کھوا کنج و کو میں چھلتا ہے
ہزار کشمکش دار و گیر ہو لیکن
میں عاجزانہ ترے روبرو کھڑا ہوں گا !

جب اس جہاں میں مرا کام ہوچکے پورا
تو اے شہ دوسرا ، داورا ، سخن آرا !
میں نقش بند رضا ، بے زبان و تن تنہا
فقیر بن کے ترے رو برو کھڑا ہوں گا !

۷۷

مجھے معلوم ہے جبار و مہیمن ہے تو
اس لئے ایک طرف ہٹ کے کھڑا ہوتا ہوں
آرزو مند نہیں قربت کا
کہ سمجھتا ہوں تجھے بیگانہ
مان کر باپ تجھے، تیرے قدم لیتا ہوں
دوستدارانہ پکڑتا نہیں ہاتھوں کو ترے
تو اترتا ہے جہاں میں نہیں ہوتا موجود
بے تکلف جو پکاروں تجھ کو
اپنے سینے سے لگا کر کہوں اے یار عزیز !

بھائیوں میں تو بڑا بھائی ہے
اعتماد ان پہ نہیں مجھ کو نہ پروا ان کی

نہیں دیتا انہیں کچھ اپنی کمائی میں سے
اس لئے تو بھی الگ رہتا ہے
نہیں لیتا میں کبھی لوگوں کے
جشن اندوہ و طرب میں حصہ
کس طرح قرب ترا حاصل ہو !

کتنا مشکل ہے گزرنا جاں سے
کون غواص بنے، کون لگائے غوطہ
زیست کے قلزم بے پایاں میں !

۷۸

تخلیق کا تھا جب کہ عمل تازہ بتازہ
جب چمکے جلا پا کے سنا برق ستارے
محفل کی بپا عرش پہ ارباب بریں نے
پھوٹے دف و شہرود سے نغموں کے شرارے
طبلوں پہ پڑی تھاپ، دھمک آئی زمیں پر
وہ نقش کمال و زہے تمثال مسرت !
جولا نگہ اسرار معانی ہے عبارت !

اک کونے سے یک لخت کسی نے یہ صدا دی
یاران صفا کیش و محبان مکرم !
زنجیر تجلی میں خلل ھے کہیں شاید
لگتا ھے کہ جیسے کوئی سیارہ ہوا گم !
بربط کے معاً ٹوٹ گئے تار بریشم
بتخانہ بنی بزم، رکی جوئے ترنم
بے ساختہ چلائے خدایان خجستہ
وہ گمشدہ تارہ ھی تھا افلاک کی زینت
تھا سب سے الگ سب سے لذیذ اس کا تبسم!
وہ گوہر یکدانہ جو کھویا ھے عزیزان
تھا جان صدف، تاج حسینان دو عالم !
اس وقت سے لے کر ھے تلاش اس کی مسلسل
ہر رات کی گھمبیر خموشی میں ستارے
کرتے ھیں شکر خند سے آپس میں اشارے
اس خواب پریشاں کی ہو تعبیر بھلا کیا !
ہر نقش و نگار اپنی جگہ پر ھے مکمل
لاحاصل و بے صرفہ ھے یہ سعی و تمنا !

یہ نہیں گر مری قسمت کہ میسر ہو وصال
زندگانی میں ملاقات کا موقع آئے
تو اس احساس زیاں ہی کو جواں رہنے دے
داغ حسرت کا بنے لالۂ صحرائے خیال
ایک لحظے کو بھی یہ بات فراموش نہ ہو
کہ ترے وصل کا افسانہ حقیقت نہ بنا
یہی آ آ کے دم خواب مرے کان بھرے
یہی دن بھر مجھے رہ رہ کے پریشان کرے!

حسب دلخواہ ہو جب گردش بازار جہاں
اور بیوپار میں لاکھوں کا منافع اپجے
کچھ بھی حاصل نہ ہوا مجھ کو یہ احساس دلا
لذت صحبت جاناں سے جو محروم رہا
ایک لحظے کو بھی یہ بات فراموش نہ ہو
یہی تنہائی شب میں مرے خوابوں کو ڈسے
یہی دن بھر مجھے رہ رہ کے پریشان کرے!

جب کبھی بیٹھ رہوں تھک کے سر راہگذر

یا کروں رات پڑے فرش زمیں پر بستر
مجھے معلوم ہو منزل کا ہے نا پید نشاں
فاصلے دشمن راحت ہیں سفر عین سقر
ایک لحظے کو بھی یہ بات فراموش نہ ہو
یہی آ آ کے دم خواب مرے کان بھرے
یہی دن بھر مجھے رہ رہ کے پریشان کرے!

مرے کاشانے میں جب قاقم و کمخواب بچھیں
بانسری کی مدھر آواز اٹھے، لوگ ہنسیں
اور پازیب کی جھنکار پہ ساغر کھنکیں
یہ نہ بھولوں کہ تو مدعو نہیں اس دعوت میں
ایک لحظے کو بھی یہ بات فراموش نہ ہو
یہی آ آ کے دم خواب مرے کان بھرے
یہی دن بھر مجھے رہ رہ کے پریشان کرے!

۸۰

میں سحاب خزاں کا اک آوارہ ٹکڑا
بساط فلک پر بھٹکتا ہوا

اے مرے عالم افروز سورج
ابھی میرا پیکر ترے مس سے پگھلا نہیں
روشنی نے ابھی اس کو نگلا نہیں
سال و ایام کا میں ابھی کررہا ہوں شمار
دور بیٹھا ہوا منقطع تجھ سے اے پاک پروردگار!

گر یہی ہے مشیت، یہی موج منشا ترا
تو یہ ہے التجا
میرے اس پیکر نا تواں کو تب وتاب دے!
ڈوب دے کر کلا روپ میں
رنگ سونے کا اس پر چڑھا
اور چنچل ہوا پر ترا
اس پہ انواع و اقسام کے بیل بوٹے کھلا!

جب دوبارہ ترے دل میں یہ دھیان گزرے کبھی رات کو
اس تماشے سے جی بھر چکا، ختم اس کو کرو!
تو میں فوراً اندھیرے میں چپ چاپ گھل جاؤں گا
یا مطلا مصفا سحر کے گلابی تبسم
میں ڈھل کے ترازوئے شبنم میں تل جاؤں گا!

۸۱

مجھے بیکار دنوں میں اکثر
وقت غفلت میں گنوا دینے کا افسوس ہوا
یہ مری بھول تھی لیکن، یا رب !
وقت ہوتا نہیں برباد کبھی
میری اس عمر گریزاں کے سرشتے کا امیں
ہے ترا دست یمیں !

جذب ہو کر دل ہر چیز میں تو
تخم کے رنگ میں کرتا ہے نمو

تیرے ہی دم سے چٹکتی ہے کلی، پھول سے پھل بنتا ہے !

اپنے بستر پہ میں تھک کر لیٹا
تو مجھے وہم ہوا، کام تمام
ہوچکا بند، ہر اک چیز ہے محو آرام
صبح بیدار ہوا تو دیکھا
آمد آمد ہے بغیچے میں نئے پھولوں کی !

لا مختتم ہے وقت ترے دست ناز میں
یارب ہو کس طرح ترے لمحات کا شمار
لیل و نہار قصہ غیاب و حضور کا
اتنا سا ماجرا ہے سنین و شہور کا
چٹکے تھے غنچے پھول کھلے تھے بکس گئے
تو جانتا ہے کرتے ہیں کس طرح انتظار!
صدیاں تری گزرتی ہیں اس طرح پے بہ پے
پہنائے دشت میں گل خود رو ہو جس طرح
جوئے رواں وقت کو اک پل نہیں قرار
مہلت قلیل، وقت گنوانے کا ذکر کیا
یہ زندگی تو عرصہ ہے اک جد و جہد کا
ہو کے رہے گی گرچہ جو ہونی ہے ہونہار
موقع ملے تو ہاتھ سے ہرگز نہ کھوئیے
تاخیر و مفلسی میں نہیں میل زینہار
اس جنس بے بہا کا یہ اسراف دیکھیے
کرتا ہوں صرف ہرکس و ناکس پہ ہائے ہائے
محروم نذر گرچہ ہے قربانگہ تری

دوڑا میں اس خیال سے لمبے ہوئے جو سائے
تھا اضطراب و دغدغہ پھاٹک نہ بند ہو
پر جی اٹھا یہ دیکھ کے باقی ہے وقت ابھی!

۸۳

میں اپنے غم کے آنسوؤں سے ماں
تیرے لئے موتیوں کی اک مالا
نایاب و گراں بہا بناؤں گا
کی ہیں تیار چاند تاروں نے
تیرے لئے روشنی کی پازیبیں
میں نے لیکن جسے بنایا ہے
سینے کے کلس پہ ہوگی آویزاں
تیرے قبضے میں دولت و شہرت
چاہے دے چاہے روک لے ان کو
پر یہ غم میرا صرف میرا ہے
اس کی جب نذر پیش کرتا ہوں
ملتی ہے صلے میں رحمت و رافت!

ساری دنیا میں جو پھیلا ہے وہ ہے درد فراق
ہے اسی کے فیض سے
آسماں برد مخطط کی طرح
زرنگار و تابناک !

ہے یہی درد فراق
جھانکتا رہتا ہے شب بھر جو تک و تنہا و مات
تارے تارے کی نگاہ نافذ و مرموز سے !

ہے یہی نغمہ، لچکتی ڈالیوں
سرسراتے پات کا
جب سنکتی ہے ہوا
بھیگے ساون کے اندھیرے صحن میں !

ہے یہی پرسوز عالمگیر درد
باعث رخسار زرد و آہ سرد
ہے اسی کے دم سے آباداں جہان رنگ و بو
میلے گلیوں کے، گھروں کی ہا و ہو

ہے یہی میرے دل شاعر سے بہتا زندہ رود
چشمۂ آہنگ و ایقاع و سرود !

۸۵

اپنے آقا کے سنہرے قصر سے
نکلے جب پہلے پہل جنگی جواں
تب انہوں نے اپنی طاقت کو چھپایا تھا کہاں
تھے کہاں ساز و یراق و افسر و تیر و کماں ؟
ان کے چہروں پر لکھی تھی ذلت و بیچارگی
بیدلی ، آشفتگی ، افتادگی
اپنے آقا کے سنہرے قصر سے
جب وہ نکلے باہر ان پر تیر باراں کی گئی !

اپنے آقا کے سنہرے قصر کو
لوٹے جب جنگی جواں
تب انہوں نے اپنی طاقت کو چھپایا تھا کہاں ؟
جعبہ و پیکان و جوشن تھے نہ شمشیر و سناں
بوق و قرنا دم بخود ، طنبور سرمہ در گلو

تھے عیاناً وہ صلحشور و مبارز ، جنگجو
امن کے پیغامبر ، پیک سلام و آشتی
اپنے پیچھے چھوڑ آئے برگ و بار زندگی !

اپنے آقا کے سنہرے قصر میں
واپس آئے جس گھڑی
سورما جنگی جواں ، جیوٹ ، جیالے ، سار نھی !

۸۶

موت ، تیری کنیز
میری چوکھٹ پہ ہے
میرے گھر
لائی تیرا پیام
کرکے وہ اجنبی قلزموں کو عبور !

رات کاجل سی ہے دل میں ہے چھاؤنی خوف کی
ہاتھ میں لے کے پھر بھی چراغ
میں کروں گا کواڑ اپنے وا
اور جھک کے کہوں گا کہ خوش آمدی !

جو کھڑا ہے مرے در پہ وہ ہے ترا ایلچی
ہاتھ جوڑے ہوئے آنسوؤں سے پوجا کروں گا ترے دوت کی
اس کے قدموں پہ رکھ دوں گا دل کا خزانہ کہ لو خوش رہو !
لوٹ جائے گا وہ
بعد تعمیل حکم
ڈال کر جھائیاں
ایک تاریک پرچھائیں کی
میری صبح سمن فام پر !

اور پھر میرے سنسان گھر میں رہے گا فقط
میرا تنہا فسردہ وجود
آخری بھینٹ تیرے حضور!

۸۷

احساس امید و بیم سے اے معبود !
اپنے کمرے کے کونے کھدروں میں
کرتا ہوں اسے تلاش لیکن بے سود !

گھر میرا مختصر ، بضاعت مزجات

اے جابر و قاهر اے قادر قدوس !
کلیت کائنات میں تاکہ میں
اس کھوئے ہوئے لمس کی شیرینی کو
اک بار بس اک بار ھی کرلوں محسوس!

۸۸

سونے مندر کے دیوتا ، بتلا
بانسری کے شکستہ تاروں سے
نہیں اٹھتی نوائے حمد و ثنا !

گھنٹیوں کی جھنن بھی سانجھ سمے
نہیں لاتی سندیسا آرتی کا
تیرے پاس اس سکوت بسمل میں
کیا کوئی مژدہ و پیام نہیں ؟
تیرے اجڑے ہوئے نشیمن میں
اب بھی آتی ھے مشکبار پون
بوئے گل میں بسا کے پیراھن
بھر کے پھولوں سے ریشمیں دامن

پھول جو تجھ سے دور رہتے ہیں
تیرے چرنوں میں جو نہیں چڑھتے!

وہ پرانا نیازمند ترا
کہلواتا تھا جو پجاری جی
لے کے کشکول دست رسوا میں
در بدر ہے خراب و آوارہ
اسے ملتی نہیں کہیں بھکشا!

شفق شام کے دھندلکے میں
ناچتے ہیں جب آگ میں سائے
سانس لیتی ہیں زندہ روشنیاں
بھوک دل میں لئے تھکا ہارا
لوٹ آتا ہے سونے مندر میں!

سونے مندر کے دیوتا، تہوار
آ کے چپ چاپ بیت جاتے ہیں
کتنی پوجا کی کامنی راتیں
بے چراغاں گزر گئیں سن سے

بت تراشان نغز و چابک دست
نو بنو بت تراشتے ہیں سدا
زندہ رود عدم کی موج بلا
وقت موعودہ پر مگر ان کو
اپنے نرغے میں گھیر لیتی ہے !

ٹوٹ جاتی ہیں ساری مورتیاں
پدویوں کا غرور مٹتا ہے
سونے مندر کا دیوتا ، تنہا
کنج گمنامی و تغافل میں
شاکئ مرگ ذوق سجدہ ہے !

۸۹

میرا لہجہ نہ ہو پر شور و بلند
کومل آہنگ ہو الفاظ سجل
میرے آقا کی یہ خواهش ہے یہ ایما یہ پسند
اب سے میں بات کروں گا بھی تو خاموشی میں
ترجمان تپش دل ہوگا

نغمۂ زیر لبی!

شاہ بازار میں مرد و زن و پیر و برنا
آنکھ جاتی ہے جدھر ہے ادھر اک بھیڑ لگی
کوئی بیچے کوئی دیکھے کوئی لے
اچھلے گھلے کوئی بانکا ٹہلے!

عین ہنگامے میں لیکن افسوس
ہاٹ جوبن پہ ہے جس وقت رچا ہے میلہ
مجھے رخصت کا ملا پروانہ
گرچہ موسم نہ سہی، باغ سہی ویرانہ
پھول کھلنے دو مرے گلشن میں
اور زنبور سے بھن بھن کی کرو فرمائش
چھوڑ کر گوشۂ پر خواب نوا پیرا ہو!

پھروں آویزش خیروشر میں
میں رہا غمزدہ و سرگرداں
مگر اب سر خوش و شاداں فرحاں
میرے بیکار دنوں کا ساتھی
مہرباں بن کے بلاتا ہے مجھے

اور میں سوچ میں گم سم حیراں
کہ اچانک یہ بلاوا کیسا
فائدہ جس کا نہ مقصد کوئی !

۹۰

موت جس دن ترے دروازے پہ دستک دے گی
کون سی شے سے کرے گا تو سواگت اس کا ؟
اپنے مہمان کو میں پیش کروں گا حضرات
جام خوننابۂ دل ، ساغر صہبائے حیات
ہے تہی دست کی سوغات یہی شاخ نبات !

روز پائیز و شب گرما کے
عسل ناب و تر و تازہ سے
اسے بہلاؤں گا مہمانی کروں گا اس کی
یہی پونجی ہے مری اور بس اتنی اوقات !

موت جب آکے مرے کواڑ پہ دستک دے گی
زعفرانی کفنی میں سرشام ہستی
تو اسے پیش کروں گا یہی جیون جیوتی !

تو کہ تکمیل حیات

تمت دیوان بے شیرازۂ فکر و عمل
اے اجل میری اجل !
آ مرے کانوں میں کر سرگوشیاں
اور کہہ قم یا حبیبی کم تنام !
تیری خاطر ہی سہیں
زندگی کی تلخیاں
کر رہا ہوں صبح و شام
اک زمانے سے میں تیرا انتظار
اے فریبندہ نگار !

خود گدازی ، خویشتن داری مری
آرزو اور آرزو کے برگ و بار
میرے سپنے ، میری شب بیداریاں
ایک نامعلوم جادے سے برنگ جوئبار
متصل تیری طرف بہتی رہیں !

اک نگاہ واپسیں چشمان سینہ دوز کی

اور میری زندگی ہوجائے گی تیری ہمیشہ کے لئے
پھول گوندھے جاچکے تیار ہے گلدستہ دلہا کے لئے
بس لگن کی دیر ہے
چھوڑ کر بابل کا گھر
خلوت شب میں دلہن ہوجائے گی
اپنے عالیجاہ سے
بے تکلف ، ہم کنار !

۹۲

جانتا ہوں میں یہ دنیا چھوڑنی ہے ایک دن
زندگی چپ چاپ مردہ چال سے
میری آنکھوں پر اجل کے کھینچ کر پردے ، بدا ہوجائے گی !
تارے لیکن پھر بھی چمکیں گے فراز چرخ پر
اور حسب قاعدہ خورشید بھی ہوگا طلوع !

بادپیما ساعتیں دریائی لہروں کی طرح
عشرت و الفت کے موتی ، درد کے کنکر لئے
چھب دکھاتی سسکیاں بھرتی رہیں گی گرم رو !

سوچتا ہوں جب کبھی اس خاتمہ بالخیر کو
وقت کی دیوار ہوتی ہے نہاں
اور اجل کی روشنی میں یہ جہاں
جنت الفردوس لگتا ہے مجھے !
رنگ و بو کا بتکدہ ہے زندگی
بادشاہت سے نہیں کم بندگی ، بیچارگی !

یہ دل دیوانہ جن کا شوق فرماتا رہا
اور جو خوش قسمتی سے مجھ کو حاصل ہوگئیں
ان کا ذکر اذکار ہے بے فائدہ
صرف وہ چیزیں مجھے درکار ہیں اب تو فقط
آج تک جن کو نظر انداز کرتا اور ٹھکراتا رہا !

۹۳

مل گئی ہے مجھ کو رخصت بھائیو !
دست بستہ سب کو کرتا ہوں سلام
دو مجھے آشیر واد
اور خدا حافظ کہو !

رنج گنج شائگاں نے گنج رنج رائیگاں
میرے دروازے کی لو یہ کنجیاں
اب مکاں پر میرا کوئی حق نہیں دعویٰ نہیں
مہرباں بن کے کرو مجھ سے دم رخصت کلام
ہم رہے ہمسائیگی میں مدتوں
جس قدر میں نے دیا ، اس سے کہیں بڑھ کر لیا

پو پھٹی تڑکا ہوا
بجھ چکی وہ شمع جس کے نور سے
کلبۂ تاریک روشن تھا مرا
آچکا مجھ کو پیام
اور میں رخت سفر باندھے ہوئے تیار ہوں !
الوداع و السلام !

۹۴

دوستو ! گھڑی آئی
رخصت و جدائی کی
بولو فی امان اللہ

آسماں پہ جھلملیاں
صبح کی ہویدا ہیں
راہ خوبصورت ہے !
زاد رہ کا مت پوچھو
دل میں شوق کا مجمع
اور ہاتھ خالی ہیں
ہے جو میری ور مالا
میں وہی پہن لوں گا
اور گیروا کپڑے
زائروں کا پہناوا
مجھ کو تو نہیں زیبا !
پر خطر ہے گو جادہ
مطمئن ہے دل میرا

اوج بام گردوں سے
شام کا حسیں تارا
مسکرا کے دیکھے گا
خیمہ گاہ منزل میں
رہرو تمنا کو !

اور باب شاهی سے
جھٹپٹے کے نغموں کی
دلگداز و غم آگیں
لے فضا میں ابھرے گی!

۹۵

وہ کونسا لمحہ تھا کہ جب پہلے پہل
دہلیز حیات کو کیا میں نے عبور؟
وہ کونسی طاقت تھی نہیں مجھ کو شعور
جس نے مری خاطر بہ کمال تمکیں
اس عالم ایجاد کا در باز کیا
جیسے نفس باد صبا کے مس سے
ہو رات کو جنگل میں شگوفے کا ظہور؟
جب وقت سحر دیکھی جہانگیری نور
فی الفور ہوا مجھ کو یہ محسوس کہ میں
اس دھر میں نا محرم و بیگانہ نہیں!
وہ ذات جو بے نام و منزہ ہے وہی

ممتا بھری باھوں میں جھلاتی ھے مجھے
بن کر مری امی کا سراپائے حسیں !
یوں ھوگا پدیدار دم باز پسیں
مانوس خد و خال میں وہ نا معلوم
جس طرح ملے ھمدم دیرینہ کوئی !

ھے زندگی از بسکہ عزیز و شیریں
مرنے کا مجھے کوئی غم و خوف نہیں
جب داھنے پستاں کو چھڑاتی ھے ماں
تو گرسنہ شیرخوار کرتا ھے پکار
فوراً ھی مگر بائیں کی کومل دھار
بیتاب کو دیتی ھے پیام تسکیں !

۹٦

یہی ھو بوقت جدائی ، مرا جملۂ الوداعی
کہ جو جلوہ دیکھا ھے میں نے
وہ ھے انتخاب صنم خانۂ کبریائی
چکھا میں نے شہد نہاں اس کنول کا

کہ جو روشنی کے سمندر پہ پھیلا ہوا ہے
یہی جذبۂ کامرانی ہے سر چشمۂ خوشنوائی
یہی ہو مرا جملۂ الوداعی !

ادی انت شکلوں کے بازیچۂ رنگ و بو میں
مزے میں نے لوٹے ہیں جی بھر کے ہر روپ رس کے
یہیں میں نے اس کا کیا ہے نظارہ
جو ہے نا مجسم جو ہے نا ہویدا !

مسرت کی میرے رگ و پے میں دوڑی ہیں لہریں
اسے چھو کے جو لمس سے ماورا ہے
زہے خوش نصیبی یہیں مجھ کو گر موت آئی !
یہی ہو مرا جملۂ الوداعی!

۹۷

جن دنوں میں کھیلتا تھا ترے سنگ
آرزومند شناسائی نہ تھا
وضع خوف و شرم سے نا آشنا
شور و ہنگامہ تھی میری زندگی

کوئی همجولی هو میرا جس طرح
تو سحر گاهاں جگاتا تها مجھے
اور پھر هم کنج و کو میں دوڑتے مستانه وار !

ان دنوں میں نے کبھی کوشش نه کی
تیرے نغموں کے معانی تک رسائی هو مری
میرے هونٹوں پر تھرکتے خودبخود نغمے ترے
ناچنے لگتا دل وارفته آپ تال پر !
اب که الھڑ بچپنے کا کھیل کھیلا جاچکا
یا خدایا ! دیکھتا هوں میں یه کیا
تیرے قدموں پر، ترے دربار میں
بے صدا روشن ستاروں کا جبین ناز پر جھومر سجائے
سر جھکائے، محو حیرت هے جهان آب و گل !

۹۸

کروں گا میں تجھے آراسته اپنی هزیمت کی
فسرده پھول مالا سے، مبارک تجھکو دارائی !
همیشه سے مری تقدیر میں لکھی هے پسپائی

مجھے معلوم ہے میری انا دم بھر کی مہماں ہے
یہ پیچ و تاب سلک عافیت کو توڑ ڈالے گا
دل بیتاب کے بربط سے نغمے غم کے پھوٹیں گے
جنہیں سن کے پگھل جائے کلیجہ سنگ خارا کا!

مجھے معلوم ہے، ہوں گے شگفتہ ایک دن آخر
کسی پوشیدہ جذبے سے کنول کے نیلگوں پتے
نظر آنے لگیں گے شہد کے مستور سر چشمے!
بسیط چرخ اخضر سے، بساط ماہ و اختر سے
تکے گی مجھ کو ایک آنکھ اور اشاروں سے بلائے گی
مفر ہوگا نہ درماں کس قدر مجبور ہے انساں!
ترے قدموں پہ آخر موت میری منتظر ہوگی!

۹۹

پتوار چھوڑتے سمے معلوم ہے مجھے
اب آگیا ہے وقت ترے بندوبست کا
جو بھی ہے کام ہونے کا ہوجائے گا شتاب
بے صرفہ جدو جہد، تگ و دو فضول ہے

اے دل تو اس شکست کو دل سے قبول کر
جو بھی مقام تجھ کو ملا اس پہ شاد رہ
تقدیر کا نوشتہ ھے کالنقش فی الحجر !
بجھ جاتے ھیں دریغ مرے ٹمٹماتے دیپ
باد وزاں کی سرسری ھلکی سی پھونک سے
اور ان کو میں دوبارہ جلانے کی سعی میں
ھر شے کو کر رھا ھوں فراموش بار بار
اب سے مگر رھوں گا میں محتاط و ھوشیار
یعنی بچھا کے فرش برھنہ پہ بوریا
دیکھوں گا رہ کروں گا اندھیرے میں انتظار
جب بھی تجھے پسند ھو اے رب دوسرا !
بے خیل و بے سپاہ فرود آ ، قدم نما !

۱۰۰

میں غوطہ لگاتا ھوں بحر صور میں
کہ در یتیم منزہ کو پالوں
بنے کون اس ناؤ کا اب کھویا
ستمگارئ باد و باراں سے جس میں

نشاں ہوچکے خستگی کے ہویدا ؟
رہے کون گردش میں ساحل بساحل
بھٹکتا پھرے کون منزل بمنزل ؟

وہ دن تو زمانہ ہوا جاچکے ہیں
کہ جب عنفوان جوانی کی رو میں
سمندر کا سینہ تھا میری قلمرو
رگوں میں جواں تھا مذاق تگ و دو
سدا اب تو دل کو لگی ہے یہی لو
کہ ہو حی و قیوم سے جسم واصل
رہے بیچ میں کوئی پردہ نہ حائل
میں لے جاؤں گا بربط زندگی کو
اتھاہ اسفل السافلیں کے کنارے
جہاں بارگاہ حیات آفریں میں
ابھرتی ہے لے رشتۂ بے صدا سے
بھروں گا وہاں اس میں جاوید نغمے
ادا ہوچکے پردہ ہائے فغاں میں
حب اس کے لب چاک سے آخریں لے

تو رکھ دوں گا اس بربط بے نوا کو
میں ھادی کے قدموں پہ عجز و ادب سے!

۱۰۱

اپنے نغموں سے کرتا رہا
میں ہمیشہ تری جستجو
وہ مجھے لے کے پھرتے رہے دربدر کو بکو
ھے انھی کا عطیہ یہ دیدہ وری
عالم رنگ و بو کے نظاروں میں گلگشت کرتے
انھی کی بدولت مجھے
علم و عرفاں کی دولت ملی!
مجھ میں جو بھی ہنر ھے انھی کا ھے آموختہ
راستے جو تھے خفیہ انہوں نے دکھائے مجھے
میرے دل کے افق پر ستارے کئی
ان کے لطف و کرم سے ھوئے مرئی و شعشعی!
وہ مجھے لے کے دن بھر رہے جادہ پیما بنوں تا کہ رمز آشنا
لذت و درد کی سر زمین طلسمی کے اسرار کا

لیکن آخر سرشام کس مرمریں قصر میں
آ گئے لے کے مجھ کو سفر ختم ہونے پہ وہ ؟

۱۰۲

میں نے کی لاف زنی لوگوں میں
کہ مری تم سے شناسائی ہے
ہر طرف میرے صنم خانے میں
نظر آتے ہیں انہیں صرف تمہارے ہی نقوش
آ کے وہ پوچھتے ہیں کون ہے یہ ؟
ان کی باتوں کا مرے پاس نہیں کوئی جواب
عذر خواہانہ یہ کہتا ہوں جناب
واقعی میں نہیں بتلا سکتا !

اس پہ وہ مجھ کو ملامت کرتے
تیوریاں ڈالے چلے جاتے ہیں
اور تم خندہ بلب
بے نیازانہ ، بلند و بالا
دور سے دیکھتے رہتے ہو یہ منظر سارا !

ہیں تمہارے متعلق جو حکایات جمیل
ڈھالتا ہوں انہیں نغموں کے حسیں قالب میں
کیسے اس راز کو سینے میں مقید رکھوں ؟
آ کے وہ پوچھتے ہیں ان کے معانی مجھ سے
کیا کہوں ان سے کروں ان کی تشفی کیسے؟
میں یہ کہتا ہوں فقط
صاحبو! ان کے مطالب سے کسے آگاہی !
مسکراتے ہوئے انگشت نمائی کرتے
ناک بھوں مجھ پہ چڑھاتے وہ چلے جاتے ہیں
اور تم خندہ بلب
بے نیازانہ ، بلند و بالا
دور سے دیکھتے رہتے ہو یہ ناٹک سارا !

۱۰۳

وقت حضوری
یا رب !
سرور عرض نغمہ سے
میرے حواس ظاہر و باطن

تیرے قدموں پر
بسط و کشف سے مس کرلیں
اس دنیائے آب و گل کی
بے رنگی ، نیرنگی !

عرض نیاز کی خاطر
اپنے دوار پہ یا رب !
میرے من کو
سیس نوانے دے
اس ابرسیہ کی مانند
جو برکھا رت میں
بن برسی بوندوں کے
بوجھ سے دبتا لچکتا جائے !

میرے تمام ترانوں کے
جدا جدا رنگ آھنگ
باھم ایک ھی دھارا بن کر
بحر سکوت کی سمت بہیں
عرض نیاز عشق کریں

جیسے کونجوں کی ڈاریں
یاد نشیمن دل میں لئے
دن رات
محو پرواز
اپنی پہاڑی
منزل گاہوں کی سمت

یونہی میری عمرِ رواں کو
رخت سفر
باندھ
کے ہونے دے
اہتزاز و مستی سے
عازم منزل پاینده
جوینده یابنده !

★